29

ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

www.tanzeem.org

18 تا 24 شوال المکرم 1436ھ/4 تا 10 اگست 2015ء

قوت برداشت کا امتحان

حقیقت یہ ہے کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر بہت دشوار کام ہے۔ یہ آدمی کی بہترین صلاحیتوں کو نچوڑ لیتا ہے۔ اس میں قدم قدم پر انسان کی قوت برداشت کا امتحان لیا جاتا ہے اور اسے سخت آزمائشوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ اس کام کو وہی شخص انجام دے سکتا ہے جس میں مصائب کو جھیلنے کی طاقت ہو، جو چوٹ پر چوٹ کھانے کے باوجود، اپنے مشن کو مستقل مزاجی سے جاری رکھنے کی استطاعت رکھتا ہو، جسے شاہان وقت کے سامنے کلمۂ حق کہنے میں باک نہ ہو۔ جس کے عزم وحوصلہ کا یہ عالم ہو کہ دنیا کی کوئی بھی طاقت اسے سچائی کے اظہار سے باز نہ رکھ سکے اور جس میں اتنی جرأت اور ہمت ہو کہ بڑے سے بڑے جابر اور ظالم کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر سکے۔

امر بالمعروف ونہی عن المنکر کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ انسان پہلے اپنی خواہشات نفس پر غلبہ پائے اور احکام الٰہی کے تابع ہو جائے، کیونکہ جس شخص میں اپنے نفس کی خواہشات پر غالب آنے کی صلاحیت نہیں ہے، وہ دوسروں کی اصلاح نہیں کر سکتا۔ صبر کا وصف ان تمام خوبیوں کا جامع ہے۔ جس شخص میں صبر کا وصف ہے، وہ اس قابل ہوگا کہ سخت ترین حالات میں بھی امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا فرض انجام دے سکے اور مسلسل انجام دیتا رہے۔ لیکن جو شخص اس وصف سے محروم ہے وہ اس کام کو انجام نہیں دے سکتا اور اگر کبھی اس کی ہمت کر بھی گزرے تو ثابت قدم نہیں رہ سکتا۔

معروف ومنکر

سید جلال الدین عمری

اس شمارے میں

جوڈیشل کمیشن رپورٹ: تبصرہ بلا تبصرہ!

قرآنی تعلیمات کا خلاصہ
خصوصی خطاب جمعۃ الوداع

گھر جلانا ہی کیا ضروری ہے؟

مگر جو جانِ انجمن تھا وہ کہیں چلا گیا!

پوری زندگی کا روزہ

پاکستان کے موجودہ حالات

وطن عزیز کی فضا
انس ومحبت کی خوشبو سے خالی

ایک اور جوڈیشل کمیشن!

الھدیٰ (669)

ڈاکٹر اسرار احمد

رزق کا مالک اللہ ہے

سُورۃ بَنِیۤ اِسۡرَآءِیۡل — بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — آیات:30، 31

اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۢ بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾ وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾

آیت ۳۰ ﴿اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ ؕ﴾ ’’یقیناً تمہارا رب کشادہ کرتا ہے رزق جس کے لیے چاہتا ہے اور تنگ کرتا ہے (جس کے لیے چاہتا ہے)۔‘‘

بعض اوقات اللہ کا کوئی بندہ چاہتا ہے کہ میں کوشش کر کے اپنے فلاں نادار رشتہ دار کے حالات بہتر کر دوں‘ مگر اس کی پوری کوشش کے باوجود اس کے حالات نہیں سدھرتے۔ ایسی کیفیت کے بارے میں فرمایا گیا کہ کسی کے رزق کی تنگی اور فراخی کا فیصلہ اللہ تعالیٰ کرتا ہے‘ اس میں تم لوگوں کو کچھ اختیار نہیں۔ لہٰذا تم لوگ اپنی سی کوشش کرتے رہو اور نتائج اللہ پر چھوڑ دو۔

﴿اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًا ۢ بَصِيْرًا ﴿۳۰﴾﴾ ’’یقیناً وہ اپنے بندوں کی خبر رکھنے والا (اور ان کے حالات کو) دیکھنے والا ہے۔‘‘

آیت ۳۱ ﴿وَلَا تَقْتُلُوْۤا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ﴾ ’’اور اپنی اولاد کو قتل نہ کرو مفلسی کے اندیشے سے۔‘‘

قدیم زمانے میں قتل اولاد کا محرک افلاس کا خوف ہوا کرتا تھا۔ آج کل ہمارے ہاں برتھ کنٹرول اور آبادی کی منصوبہ بندی کے بارے میں جو اجتماعی سوچ پائی جاتی ہے اور اس سوچ کے مطابق انفرادی اور اجتماعی سطح پر جو کوششیں ہو رہی ہیں ان کی کئی صورتیں بھی اس آیت کے حکم میں آتی ہیں۔ اس سلسلے میں مجموعی طور پر کوئی ایک حکم نہیں لگایا جا سکتا۔ اس کی تمام صورتیں حرام مطلق نہیں‘ بلکہ بعض صورتیں جائز بھی ہیں‘ جبکہ بعض مکروہ اور بعض حرام۔ مگر ایسی سوچ کو ایک اجتماعی تحریک کی صورت میں منظم کرنا بہر حال ایمان اور توکل علی اللہ کی نفی ہے۔ اس کوشش کا سیدھا اور صاف مطلب یہ ہے کہ انسان کو اللہ کے رازق ہونے پر ایمان و یقین نہیں اور وہ خود اپنی جمع تفریق سے حساب پورا کرنے کی کوششیں کرنا چاہتا ہے۔ دراصل انسان اللہ کے خزانوں اور وسائل کی وسعتوں کا کچھ اندازہ نہیں کر سکتا۔

مختلف مانع حمل طریقوں اور کوششوں پر ’’قتل اولاد‘‘ کے حکم کا اطلاق نہیں ہوتا‘ لیکن باقاعدہ حمل ٹھہر جانے کے بعد اسے ضائع کرنا بہر حال قتل کے زمرے میں ہی آتا ہے۔

﴿نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ﴾ ’’ہم ان کو بھی رزق دیں گے اور تمہیں بھی۔‘‘

تم یہ سمجھتے ہو کہ تمہیں جو رزق مل رہا ہے وہ تمہاری اپنی محنت اور منصوبہ بندی کا نتیجہ ہے۔ ایسا ہرگز نہیں‘ تمہارے حقیقی رازق ہم ہیں اور جیسے ہم تمہیں رزق دے رہے ہیں اسی طرح تمہاری اولاد کے رزق کا بندوبست بھی ہمارے ذمہ ہے۔

﴿اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ﴿۳۱﴾﴾ ’’یقیناً ان کو قتل کرنا بہت بڑی خطا ہے۔‘‘

فرمان نبویؐ

رزق میں برکت

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ ((مَنْ لَزِمَ الْاِسْتِغْفَارَ جَعَلَ اللّٰہُ لَہٗ مِنْ کُلِّ ضِیْقٍ مَّخْرَجًا وَّمِنْ کُلِّ ھَمٍّ فَرَجًا وَّ رَزَقَہٗ مِنْ حَیْثُ لَا یَحْتَسِبُ)) (رواہ ابوداوٗد)

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ’’جو شخص ہمیشہ استغفار (اللہ سے گناہوں کی بخشش کے لیے دعا) کرتا رہے، اللہ ہر قسم کی تنگی سے نکلنے کی راہ اس پر کھول دے گا اور ہر غم و فکر سے اسے نجات بخشے گا اور اسے ایسی جگہ سے رزق عنایت فرمائے گا جس کا اسے وہم و گمان بھی نہ ہوگا۔‘‘

تشریح: پورے شعور اور عاجزی کے ساتھ ایک سو بار روزانہ اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہے۔ اس سے ہر قسم کی تنگی اور مصیبت سے نکلنے کی راہ پیدا ہوگی۔

حضرت حسن بصریؒ کی خدمت میں یکے بعد دیگرے چار آدمی حاضر ہوئے۔ ایک نے قحط سالی کی شکایت کی۔ دوسرے نے اپنی تنگدستی اور محتاجی کا شکوہ کیا۔ تیسرے نے کہا، حضرت! آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ وہ مجھے بیٹا عطا فرمائے۔ چوتھے نے عرض کیا، میرا باغ سوکھ گیا ہے۔ آپؒ نے ہر ایک سے کہا کہ ’’اللہ سے استغفار کرو۔‘‘

ہفت روزہ لاہور

ندائے خلافت

تا خلافت کی بنا دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

تنظیم اسلامی کا ترجمان نظامِ خلافت کا نقیب

بانی: اقتدار احمد مرحوم

18 تا 24 شوال المکرم 1436ھ جلد 24
4 تا 10 اگست 2015ء شمارہ 29

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید
مدیر: ایوب بیگ مرزا
نائب مدیر: محمد خلیق
ادارتی معاون: فرید اللہ مروت

نگرانِ طباعت: شیخ رحیم الدین
پبلشر: محمد سعید اسعد، طابع: رشید احمد چودھری
مطبع: مکتبہ جدید پریس، ریلوے روڈ، لاہور

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67-اے علامہ اقبال روڈ گڑھی شاہو لاہور-54000
فون: 36316638-36366638-
E-Mail:markaz@tanzeem.org
مقام اشاعت: 36-کے ماڈل ٹاؤن لاہور-54700
فون: 03-35869501 فیکس: 35834000
publications@tanzeem.org

قیمت فی شمارہ 12 روپے

سالانہ زرِ تعاون
اندرونِ ملک...... 450 روپے
بیرونِ پاکستان
انڈیا ---------------------- (2000 روپے)
یورپ، ایشیا، افریقہ وغیرہ (2500 روپے)
امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا وغیرہ (3000 روپے)
ڈرافٹ، منی آرڈر یا پے آرڈر
"مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن" کے عنوان سے ارسال کریں۔ چیک قبول نہیں کیے جاتے

"ادارہ" کا مضمون نگار حضرات کی تمام آراء سے پورے طور پر متفق ہونا ضروری نہیں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اداریہ
مرزا ایوب بیگ

جوڈیشل کمیشن رپورٹ: تبصرہ بلا تبصرہ!

جوڈیشل کمیشن نے حکومت کو اپنی رپورٹ پیش کر دی ہے جس کے مطابق پاکستان تحریک انصاف کے تمام اعتراضات کو مسترد کرتے ہوئے انتخابات کو صاف اور شفاف قرار دے دیا گیا ہے۔ یہ کمیشن اس لیے بنایا گیا تھا تاکہ ملک میں پیدا ہونے والے ایک سیاسی بحران کو ختم کیا جا سکے۔ کمیشن کی جو رپورٹ سامنے آئی ہے، ہماری رائے میں اُس نے معاملات کو سلجھانے کی بجائے مزید الجھا دیا ہے۔ کمیشن اپنی رپورٹ میں الیکشن کمیشن آف پاکستان کی یہ ذمہ داری قرار دیتا ہے کہ وہ ملک میں شفاف، منصفانہ اور غیر جانبدارانہ انتخاب کا انعقاد کرائے لیکن خود جوڈیشل کمیشن 2013ء کے انتخابات کے حوالہ سے الیکشن کمیشن کی کارگردگی پر اتنے سوال اٹھاتا ہے اور اتنی غلطیوں اور کوتاہیوں کا ذکر کرتا ہے کہ اُس کے بعد انتخابات کو شفاف اور منصفانہ قرار دینا عام آدمی کی سمجھ سے بالاتر ہے۔ ہم اپنے کسی تبصرہ سے پہلے ذیل میں الیکشن کمیشن کی اُن غلطیوں اور کوتاہیوں کا ذکر کریں گے جن کی نشاندہی جوڈیشل کمیشن کی رپورٹ میں کی گئی ہیں:

(1) ایسے قواعد وضوابط وضع کیے گئے جو خلاف آئین تھے۔ (2) بہت سے معاملات میں نا اہلی اور malpractice سامنے آئی۔ (3) الیکشن کمیشن کو تیاری اور انتظامات کے لیے مناسب اور معقول وقت دیا گیا تھا لیکن اُنہوں نے تیاری نہیں کی اور منصوبہ بندی کا فقدان تھا۔ (4) اضافی بیلٹ پیپر کی تقسیم کا کوئی طے شدہ فارمولا نہیں تھا۔ تین چھوٹے صوبوں کو اضافی بیلٹ پیپر الیکشن کمیشن نے جاری کیے جبکہ پنجاب کو اضافی بیلٹ پیپر ریٹرنگ آفیسرز نے جاری کیے (یاد رہے پاکستان تحریک انصاف جو مدعی جماعت تھی، اُسے پنجاب ہی میں سب سے زیادہ دھاندلی کی شکایت تھی اور آصف زرداری نے بھی اِن انتخابات کو آر اوز کے انتخابات قرار دیا تھا) (5) صرف چار پرنٹنگ پریسز کو تمام بیلٹ پیپرز چھاپنے کو دیئے گئے، لہٰذا چھپائی کا سلسلہ قانون کے مطابق دیئے گئے وقت کے بعد بھی جاری رہا۔ (6) پوسٹل فاؤنڈیشن کو 25 لاکھ ووٹ دیئے جاتے ہیں، اُنہیں اُس کے علاوہ ووٹ بھی دے دیئے گئے۔ (7) مانیٹرنگ کا کوئی نظام موجود نہیں تھا۔ (8) میگنیٹک سیاہی کا صحیح انتظام نہ کیا گیا جس سے بہت گڑبڑ ہوئی۔ (9) فنگر پرنٹ کی Verification کا کوئی موثر نظام نہیں تھا۔ (10) رزلٹ میچنگ سسٹم درست نہیں تھا۔ (11) قانون کے مطابق ہر پولنگ سٹیشن پر تین دن پہلے سامان پہنچنا چاہیے لیکن بعض جگہوں پر یہ صرف چند گھنٹے پہلے پہنچا۔ (12) آر اوز کی ٹرننگ کا کوئی درست انتظام نہیں تھا۔ (13) رولز آف پروسیجر کی خلاف ورزی کی گئی۔ (14) فارم 15 جن کی بنیاد پر رزلٹ تیار ہوتا ہے، وہ 35 فیصد غائب تھے۔ (15) ایسے غیر آئینی احکامات دیئے گئے جو ہینڈ بک میں موجود نہیں تھے۔ (16) مرکزی الیکشن کمیشن کا ایک نمائندہ صوبائی دفاتر میں موجود ہونا چاہیے۔ اُسے سرے سے کوئی رول ہی نہ دیا گیا۔ (17) پنجاب الیکشن کمیشن نے بیلٹ

کی چھپائی کے دو شیڈول جاری کیے جبکہ یہ قانون کے خلاف ہے۔

یہ وہ الزامات یا اعتراضات ہیں جو جوڈیشل کمیشن نے الیکشن کمیشن آف پاکستان پر وارد کیے ہیں اور ہم نے اُس رپورٹ سے نقل کیے ہیں جو جوڈیشل کمیشن نے پیش کی ہے۔ اس کے باوجود انتخابات کو شفاف قرار دیا ہے۔ اب آیئے جوڈیشل کمیشن کی رپورٹ کی طرف! سب سے پہلی بات یہ کہ اُنہوں نے اپنے فیصلے کی بنیاد beyond reasonable doubt کی بجائے balance of probabilites یعنی شک و شبہ سے بالاتر کی بجائے امکانات کے توازن پر رکھی۔ سوال یہ ہے کہ اس توازن کے برقرار رہنے یا نہ رہنے کا فیصلہ تمام تر احتیاط اور دیانت داری کے باوجود قائم رکھنا انتہائی مشکل ہے۔

(2) جب کمیشن کو یہ اختیار دیا گیا تھا کہ وہ معاملات کی تہہ تک پہنچنے کے لیے سپیشل انوسٹی گیشن ٹیم بنا سکتے ہیں جن کے ارکان آئی ایس آئی، آئی بی، ایم آئی اور ایف آئی اے سے لے سکتے ہیں تو انہوں نے معاملات کی مکمل چھان بین کے لیے یہ ٹیم کیوں نہ بنائی؟ (3) اگر 35 فیصد فارم 15 کا غائب ہونا بھی انتخابات کی شفافیت پر اثر انداز نہیں ہوتا تو ملک بھر سے یہ فارم ڈھونڈنے کی اتنی بڑی مشق کیوں کروائی گئی؟ (4) 21 حلقہ جات جہاں دھاندلی کی شکایت تھیں وہاں چیک کیا گیا تو 17 حلقہ جات میں مسلم لیگ (ن) کامیاب ہوئی۔ اسے سمپل ٹیسٹنگ کیوں نہ قرار دیا گیا؟ (5) انتخابات کے دوران نجم سیٹھی جو پنجاب کے کیئر ٹیکر وزیر اعلیٰ تھے۔ اُنہوں نے جوڈیشل کمیشن کے سامنے بیان دیا کہ انتخابات سے سات یا دس دن پہلے اختیارات اُن کے ہاتھ سے نکل کر ماڈل ٹاؤن یعنی شریف برادران کے پاس چلے گئے تھے۔ یہ گھر کا بیدی لنکا ڈھانے والی بات تھی، اس کا نوٹس کیوں نہ لیا گیا۔

جوڈیشل کمیشن نے رپورٹ میں لکھا ہے کہ پی ٹی آئی منظم دھاندلی ثابت نہیں کر سکی اور یہ نہیں بتا سکی کہ دھاندلی کا پلان کس نے بنایا، کہاں بنایا اور کیسے عمل در آمد کیا۔ سوال یہ ہے کہ جب مدعا علیہ حکومت ہو تو ثبوت کا سارا بوجھ مدعی پر ڈالنا کیسا انصاف ہے، اس لیے کہ تمام راز اور اہم معلومات تو حکومت کے محکمہ جات کے پاس ہوتے ہیں۔ بہر حال ہماری رائے میں یہ بات اپنی جگہ درست ہو سکتی ہے اور ہوگی کہ اگر کسی قسم کی کوئی دھاندلی نہ بھی ہوتی تب بھی مسلم لیگ (ن) کی نشستیں سب جماعتوں کی نسبت زیادہ ہوتیں، البتہ ہماری دانست میں اُسے سادہ اکثریت حاصل نہ ہوتی۔ لہٰذا اُس نے اکثریت کے حصول کے لیے دوسری جماعتوں کی حمایت کی محتاجی سے بچنے کے لیے کچھ نہ کچھ کارروائی لازماً ڈالی۔ ہماری رائے میں جوڈیشل کمیشن کا الیکشن کمیشن پر اس قدر اعتراضات کرنا، پھر بھی ذمہ داران کے لیے کوئی سزا تجویز نہ کرنا، اسی طرح 35 فیصد فارم 15 غائب ہونے کے باوجود اُن آراوز کو بھی کوئی سزا تجویز نہ کرنا گویا آئندہ انتخابات میں وقت کی مقتدر قوت کو دھاندلی کا لائسنس دینے کے مترادف ہے۔ جوڈیشل کمیشن یہ تجویز کر سکتا تھا کہ 2013ء کے انتخابات میں ان غلطیوں اور کوتاہیوں کی وجہ سے انتخابات کی شفافیت پر حرف تو آیا ہے لیکن بحیثیت مجموعی مینڈیٹ تبدیل نہیں ہوا لہٰذا نئے انتخابات کی ضرورت نہیں البتہ جن لوگوں نے لاپروائی یا غیر ذمہ داری کا مظاہرہ کیا ہے اُنہیں سزا دی جائے۔

ہم سمجھتے ہیں کہ عمران خان کو بھی اپنے عہد کے مطابق اس فیصلے کو کھلے دل سے قبول کر لینا چاہیے اور اگر مگر میں نہیں پڑنا چاہیے۔ اسی طرح الیکشن کمیشن کو اپنی نااہلی تسلیم کرتے ہوئے مستعفی ہونا اپنی اخلاقی ذمہ داری سمجھنا چاہیے۔ جہاں تک تحریک انصاف کے اسمبلی ممبران کو ڈی سیٹ کرنے کا معاملہ ہے، یہ اگر آئینی تقاضا ہے تو لازماً پورا ہونا چاہیے لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ قومی اسمبلی کی تیس نشستوں پر انتخابات کروانا خود حکومت کے مفاد میں نہیں ہے۔ اس سے ایک اور سیاسی بحران جنم لے سکتا ہے جو حکومت کے لیے خطرناک ثابت ہو سکتا ہے۔ لہٰذا نواز شریف اس حوالہ سے کوئی خطرہ مول نہیں لیں گے۔ جے یو آئی اور ایم کیو ایم جتنا چاہے اصرار کریں، نواز شریف اُنہیں چند روز کھلا کر اپنا فیصلہ ہی نافذ کریں گے واللہ اعلم۔ آخر میں ہم اُن سیکولر کالم نگاروں پر شدید تنقید کرنا لازم سمجھتے ہیں جنہوں نے جوڈیشل کمیشن کے اس فیصلہ کی آڑ میں تاریخ کو مسخ کرنے کی کوشش کی ہے اور لکھا ہے کہ مسلمانوں کی عدالتی تاریخ ایسے فیصلوں سے بھری پڑی ہے جن میں قاضیوں نے حکمرانوں کے حق میں فیصلے دیئے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگرچہ چند جابر اور ظالم بادشاہوں کے دور میں ایسا یقیناً ہوا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے علاوہ اسلامی عدلیہ کی تاریخ میں قاضیوں اور جج حضرات نے کبھی انصاف کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا اور اُنہوں نے خلفاء یا بادشاہوں کے خلاف ڈٹ کر فیصلے دیئے اور مسلمان حکمرانوں نے بھی اُنہیں تسلیم کیا۔ پاکستان کا تو معاشرہ ہی تن اور دھن کا غلام بنا ہوا ہے۔ ایسے گلے سڑے معاشرے سے کیسے اعلیٰ ظرف کی حامل اور نیک طینت قیادت ابھرے گی چاہے اُس کا تعلق سول انتظامیہ سے ہو یا ملٹری سے، مقننہ سے ہو یا عدلیہ سے؟ ہمیں درحقیقت بندوں کو اللہ کا بندہ بنانا ہوگا تاکہ صالح معاشرہ تشکیل پا سکے اور ایسی حکومتیں وجود میں آئیں جو اللہ کے دین کو من وعن نافذ کریں۔ پھر عدل قائم ہوگا۔ اللہ کے پسندیدہ دین اسلام کا تو کیچ ورڈ ہی اسلام ہے، اسی کے نفاذ کی ضرورت ہے۔

قرآنی تعلیمات کا خلاصہ

سورۃ العصر کی روشنی میں

(II)

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی، لاہور میں امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید حفظہ اللہ کے 17 جولائی 2015ء کا خطاب جمعۃ الوداع

گزشتہ سے پیوستہ

ہمیں اندازہ ہی نہیں کہ ہم کدھر جا رہے ہیں۔ ہم تو دنیا میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ قرآن ہماری آنکھیں کھول رہا ہے: ﴿اِنَّ الۡاِنۡسَانَ لَفِیۡ خُسۡرٍ ۝۲﴾ ''بے شک انسان خسارے میں ہے''۔ اس پر یہ تیزی سے گزرتا ہوا زمانہ شاہد ہے' جس کا تمہیں بھی اندازہ ہے' جب بڑھاپا آتا ہے تو پریشان ہو جاتے ہو' اس لیے کہ وقت کو ہم روک نہیں سکتے۔ قرآن کہہ رہا ہے کہ تم بہت بڑے خسارے کی طرف جا رہے ہو' اس کی فکر کرو۔

اس عظیم خسارے سے بچنے کی چار شرائط بیان کر دی گئی ہیں: ﴿اِلَّا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ ۬ۙ وَ تَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ ۝﴾ اب ان چار چیزوں کو یاد رکھ لیں تو قرآن کا پورا پیغام آپ کو یاد ہو جائے گا۔ پورے قرآن کا مطالعہ اپنی جگہ ضروری ہے' لیکن یہ قرآن کے پیغام کا خلاصہ ہے' جس سے حکمت قرآنی کے دریچے کھلتے ہیں۔

ان چار شرائط میں پہلی شرط ہے کہ ''جو ایمان لائے''۔ الحمد للہ ہم سب صاحب ایمان ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے موروثی طور پر اسلام کی دولت ہمیں عطا کی ہے' یہ اس کا بہت بڑا فضل و کرم ہے۔ گویا پہلی شرط already ہمیں حاصل ہے، لیکن اس کا بھی ایک پہلو قابل توجہ ہے۔

ایمان کا اصل مفہوم یہ ہے کہ کائنات کے جو حقائق نبی اور رسول بتاتے ہیں ان کی پوری تصدیق کرنا اور دل سے ان پر یقین کرنا۔ چنانچہ اس کو علماء نے تفصیل سے بیان کیا ہے۔ ایمان کے دو گوشے بن جاتے ہیں' اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب۔ ایک ہے زبان سے اقرار اور ایک ہے انہی باتوں پر دل کا ٹھک جانا' کہ اصل زندگی یہ نہیں' آخرت کی ہے۔ اصل قوت دنیا والوں کے پاس نہیں' اللہ تعالیٰ کے پاس ہے: لَا حَوۡلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ۔ قوت اور طاقت کا سرچشمہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے' اس کی مرضی کے بغیر پتا تک نہیں ہل سکتا۔ بھروسے کے لائق صرف وہی ایک ذات ہے۔

ان حقائق پر دل کا مطمئن ہو جانا تصدیق قلبی ہے۔ جس نے زبان سے اقرار کیا وہ دنیا میں مسلمان شمار ہوگا۔ کلمہ پڑھ لیا تو مسلمان ہو گئے۔ لیکن قیامت کے دن انسان کے حوالے سے اللہ کے ہاں جو پیمانہ ہے وہ

مرتب: حافظ خالد محمود خضر

تصدیق قلبی ہے۔ چنانچہ مؤمن اس کو سمجھا جائے گا جس کے دل میں تصدیق قلبی والا ایمان موجود ہے اور وہ ایمان جب حاصل ہوتا ہے تو انسان کا عمل خود بخود ٹھیک ہو جاتا ہے۔ جب انسان کو آخرت کا یقین ہو اور ہر کام کرنے میں یہ احساس ہو کہ اگر میں نے غلط کام کیا تو اللہ کے ہاں پکڑا جاؤں گا' اللہ کے حضور حاضری ہوگی اور ہر عمل کا حساب دینا ہوگا تو دنیا کے چند ٹکے کی خاطر وہ اپنی آخرت برباد نہیں کر سکتا۔ ہمیں جو ایمان حاصل ہے یہ اقرار باللسان والا ہے، لیکن تصدیق قلبی والا ایمان تو کسی کسی کو ملتا ہے اور قیامت کے دن یقین قلبی والا ایمان ہی قابل قبول ہوگا۔

دنیا میں جو کوئی زبان سے کلمہ پڑھ رہا ہے' اس کے دل میں یقین بھی ہے یا نہیں، یہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے۔ کلمہ کی بنیاد پر اسے مسلمانوں میں شمار کیا جاتا ہے۔ کچھ لوگوں کو تو کلمہ بھی نہیں آتا' نہ مفہوم کا پتا ہے۔ اور کلمے کے تقاضوں کا تو بہت کم لوگوں کو علم ہے۔ منافق اور فاسق بھی کلمہ پڑھتے تھے اور انہیں مسلمانوں میں شمار کیا جاتا تھا۔ حضور ﷺ کے دور میں منافقوں نے کیا کچھ نہیں کیا اور قرآن ان کو بے نقاب بھی کرتا رہا۔ ثابت ہوتا تھا کہ ان کی ساری ہمدردی اور وفاداری اسلام مخالف قوتوں کے ساتھ ہے، مسلمانوں کے خلاف سازشیں کر رہے ہیں۔ قرآن ایسے لوگوں کے بارے میں کہہ رہا ہے کہ یہ جہنم کے بدترین حصے میں ڈالے جائیں گے' ان کا انجام کفار کے ساتھ ہے۔ تو روز حساب جو ایمان معتبر ہوگا وہ یقین قلبی والا ایمان ہے' صرف زبانی اقرار نہیں۔ اللہ کرے وہ ہمیں میسر آ جائے۔ اور اس کا سب سے سہل الحصول ذریعہ نیک لوگوں کی صحبت ہے' لیکن سب سے بڑا منبع و سرچشمہ قرآن حکیم ہے۔ اس کو پڑھو' سمجھ کر پڑھو۔ یہیں سے حرارت ایمانی پیدا ہوگی۔

پہلی شرط ایمان اور دوسری شرط اعمال صالحہ ہے۔ یعنی ایک مسلمان نیک اعمال بھی کرتا ہو۔ ایک تو خیر و شر کا تصور ہے جو ہر انسان کے اندر ہے اور وہ عمل صالح کا حصہ ہے۔ اس کے مطابق یعنی ضمیر کی آواز کے مطابق چلو۔ مزید تفصیلات اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے بتا دیں کہ یہ چیز جائز ہے یہ ناجائز' یہ حلال ہے یہ حرام' یہ کر سکتے ہو یہ نہیں کر سکتے۔ یہ کارِ ثواب ہے اور یہ باعث عذاب ہے۔ چنانچہ ہر مسلمان ﴿اَطِیۡعُوا اللّٰہَ وَ اَطِیۡعُوا الرَّسُوۡلَ﴾ کے قرآنی حکم پر عمل کرتے ہوئے

زندگی کے ہر معاملے میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کو مضبوطی سے پکڑے کہ میں نے اس راستے پر چلنا ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے بتایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ آخری معیار ہیں‘ آپؐ نے جس کو معروف کہا وہ معروف ہے اور جس کو شر کہا وہ شر ہے‘ قیامت تک۔ عملِ صالح کے لیے اللہ اور اس کے رسولؐ نے اتنی تفصیلی ہدایات اس لیے دیں کہ جو صاحب ایمان ہے وہ اس کے مطابق زندگی گزارے۔

لیکن اس پر بات ختم نہیں کی‘ بلکہ دو شرائط اور رکھیں: ﴿وَتَوَاصَوۡا بِالۡحَقِّ﴾ ایک دوسرے کو حق بات کی تاکید اور وصیت بھی کرنی ہے۔ حق بات جو ان تک پہنچی ہے‘ اللہ کا پیغام جو ان تک پہنچا ہے‘ اسے دوسروں تک بھی پہنچانا ہے۔ یہ ہماری اخلاقی ذمہ داری بھی بنتی ہے کہ جس چیز کو ہم اپنے لیے اچھا سمجھ رہے ہیں اس کو دوسروں کے لیے بھی اچھا سمجھیں۔ چنانچہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسی کا حصہ ہے۔ ’’تَوَاصِیْ بِالْحَق‘‘ حق کے علمبردار بن کر کھڑے ہونا ہے۔ اس بات کی وصیت کہ حق بات کی دعوت دینی ہے اور منکرات سے روکنا ہے۔ نیکی کا حکم دینا ہے‘ نیکی کی تلقین کرنی ہے‘ نیکی کا درس دینا ہے اور برائی سے روکنا ہے۔

یہ اس لیے بھی ضروری ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے بعد نہ کوئی نبی ہے نہ رسول۔ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کے لیے رسول اور نبی بھیجتا تھا۔ اب وہ سلسلہ ختم ہوگیا۔ ختم نبوت کے بعد یہ ڈیوٹی کس کی ہے؟ ہم اس پر فخر تو کرتے ہیں کہ حضور ﷺ خاتم النبیین ہیں‘ لیکن اس کا جو منطقی تقاضا ہے اس کو جاننے کے لیے ہم تیار ہی نہیں ہیں۔ اس پیغام کو لوگوں تک پہنچانا بلکہ پوری نوع انسانی تک پہنچانا مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ لہٰذا ’’تواصی بالحق‘‘ اللہ کے پیغام کو دوسروں تک پہنچانا ہے‘ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پوری دنیا کی سطح پر کرنا ہے۔ اور آنحضور ﷺ نے یہ کس طرح کیا تھا؟ اللہ کے دین کو قائم کر کے دکھایا تھا۔ پھر لوگ دھڑا دھڑ اسلام میں داخل ہوتے چلے گئے۔ چنانچہ اس حق کو غالب بھی کرنا ہے۔

سب سے بڑا حق تو خود اللہ ہے، وہی آسمانوں اور زمین کا خالق بھی ہے اور مالک بھی۔ اس زمین کے لیے اس نے ہمیں حضور ﷺ کے ذریعے اپنا نمائندہ بنایا اور پورا دین مکمل کر کے عطا کر دیا کہ اس کو میری زمین پر نافذ کرو! تو یہ حق ہے اللہ کا‘ اور اللہ کے وفاداروں کے ذمہ ہے کہ اللہ کے خلاف اس وقت جو بغاوت ہے‘ ابلیسی نظام پوری دنیا پر چھایا ہوا ہے‘ اس کا قلع قمع کریں۔ ابلیس انسانیت کا سب سے بڑا دشمن ہے اور اللہ کا سب سے بڑا باغی ہے۔

آج پوری دنیا میں ابلیس کا نظام چل رہا ہے۔ دو چیزیں خاص طور پر اس ابلیسی نظام کا حصہ ہیں‘ ایک فحاشی وعریانی اور دوسرے سودی معیشت۔ ابلیس فحش اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے‘ اس کی ترغیب دلاتا ہے۔ دنیا میں آج فحاشی اور عریانی جس سطح پر ہے‘ آج سے پچاس ساٹھ سال پہلے والا انسان ایسا سوچ بھی نہیں سکتا تھا اور آج پورے گلوب کے اوپر یہی تہذیب جلوہ گر ہے۔ پاکستان اسلام کے نام پر قائم ہوا‘ لیکن یہاں پر بھی وہی ابلیسی تہذیب ہے۔ صرف ڈگری کا تھوڑا سا فرق ہوسکتا ہے لیکن فحاشی وعریانی کے معاملے میں ہم پیچھے نہیں رہ گئے۔

اسی طرح سودی نظام بھی ابلیس کا سب سے بڑا حربہ ہے‘ جو آج ساری دنیا میں رائج ہے۔ اسلامی ممالک میں کوئی ایک بھی ایسا نہیں ہے جس کی معیشت سود سے پاک ہو۔ تو دنیا میں شیطانی نظام مکمل طور پر چل رہا ہے۔ زمین اللہ کی ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے کہ یہاں اللہ کا نظام قائم ہو۔ یہ تواصی بالحق کا تقاضا ہے۔ لہٰذا اس نظام کی جدوجہد بھی مسلمانوں پر لازم ہے اور یہی کام

پریس ریلیز ۰ 31 جولائی 2015ء

ملا عمر نے افغانستان میں اللہ اور رسول کے دین کو نافذ کیا تو اللہ نے انہیں غیب سے مدد فراہم کی

پاکستان کے آئین میں واضح طور پر لکھا ہے کہ قرآن اور سنت کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں ہوسکتی جمعیت کی طرف سے تحریک درحقیقت اس آئینی تقاضے پر عملدرآمد کرانا تھا

حافظ عاکف سعید

ملا عمر نے افغانستان میں خالص اسلامی حکومت قائم کی تھی یہ بات تنظیم اسلامی کے امیر حافظ عاکف سعید نے قرآن اکیڈمی لاہور میں خطبہ جمعہ کے دوران کہی۔ انہوں نے کہا کہ اگرچہ امریکہ اور نیٹو فورسز نے پاکستان کی مدد سے افغانستان میں ملا عمر کی حکومت ختم کردی لیکن افغان طالبان نے اپنے امیر ملا عمر کی قیادت میں امریکہ اور نیٹو فورسز کے خلاف جہاد جاری رکھا اور انہیں عبرتناک شکست دی۔ انہوں نے اللہ اور رسول کے دین کو نافذ کیا تو اللہ نے انہیں غیب سے مدد فراہم کی۔ جس سے بے سروسامان افغان طالبان کے ہاتھوں عالمی قوتوں کی شکست کا معجزہ رونما ہوا۔ انہوں نے واضح کیا کہ طالبانِ پاکستان اور طالبان افغانستان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ دشمن کے ایجنٹ تھے۔ انہوں نے جمعیت علمائے اسلام کی طرف سے پیش کردہ تحریک جس کے مطابق کوئی بھی مسودہ قانون پیش کرنے سے قبل اس کے اسلامی احکامات کے منافی نہ ہونے کے بارے میں حلف نامہ جمع کرانا لازمی قرار دیا جانے کا مطالبہ تھا، اسے مسترد کرنے پر ایوان خصوصاً حکومت کی شدید مذمت کی۔ انہوں نے کہا کہ آئین میں واضح طور پر لکھا ہے کہ قرآن اور سنت کے خلاف کوئی قانون سازی نہیں ہوسکتی اور جمعیت کی طرف سے یہ تحریک درحقیقت اِس آئینی تقاضے پر عملدرآمد کرانا تھا۔ اِسے مسترد کرنا گویا یہ اعلان کرنا ہے کہ ہم پاکستان میں اللہ اور رسول کے احکامات کو کسی صورت نافذ نہیں کریں گے۔ انہوں نے کہا یہ اللہ اور رسول سے بغاوت ہے اور اسی بغاوت کی بنا پر ہم ایٹمی قوت ہونے کے باوجود دنیا بھر میں ذلیل ورسوا ہو رہے ہیں۔

(جاری کردہ: مرکزی شعبہ نشرواشاعت، تنظیم اسلامی)

صحابہ کرامؓ نے کیا تھا‘ تبھی یہ اسلام ہم تک پہنچا ہے۔

قرآن کے پیغام کو پوری دنیا تک اور نوع انسانی کے ہر فرد تک پہنچانے کا ذمہ اس امت کا ہے۔ اور یہ ہم میں سے ہر ایک کو اپنی اپنی بساط کے مطابق کرنا چاہیے۔ دنیا کے جن حصوں میں اسلام نہیں پہنچا‘ ان حصوں تک اسلام پہنچانے کے وسائل تو ہمارے پاس نہیں ہیں‘ لیکن یہ پیغام ہم کم از کم اپنے دوستوں اور آس پاس کے لوگوں تک تو پہنچا سکتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر ضرورت ہے کہ اللہ کا یہ پیغام پہلے مسلمانوں کو پہنچایا جائے۔ یہ ہے تیسری شرط‘ کہ ایک دوسرے کو حق بات کی وصیت اور تلقین کرنا۔

اور آخر میں فرمایا: ﴿وَتَوَاصَوۡا بِالصَّبۡرِ﴾ جب حق کے علمبردار بن کر کھڑے ہوگے‘ مُنکرات سے منع کرو گے‘ حق کا اعلان کرو گے‘ باطل نظام کو بدلنے کی بات کرو گے تو مخالفت ہوگی۔ تشدد بھی کیا جائے گا‘ روڑے اٹکائے جائیں گے‘ گالیاں بھی سننی پڑیں گی۔ پھر جان کی قربانی بھی دینی پڑے گی۔ لہٰذا اب جو سچے اہل ایمان ہیں وہ ایک دوسرے کو صبر کی تلقین کرتے رہیں گے کہ صبر واستقامت دکھاؤ۔ اب یہ نہ ہو کہ جب سختیاں آئیں تو پیٹھ موڑ لو‘ پسپائی اختیار کر لو‘ نہیں‘ بلکہ اب ڈٹے رہو۔ یہ ہے قرآن کی دعوت کا خلاصہ ایک چھوٹی سی سورت میں۔

اس چھوٹی سی سورت کی تین آیات ہیں اور اس کی تیسری آیت میں پورا لائحہ عمل دے دیا گیا ہے۔ یہ ہے وہ صراط مستقیم جو تمہیں کامیابی تک پہنچائے گی۔ اس شاہراہ کا نقطہ آغاز قرآن مجید نے بتا دیا ہے‘ وہ ایمان ہے یہاں سے سفر شروع ہوگا۔ ایمان اگر پختہ ہے تو عمل صالح خود بخود پیدا ہوگا۔ انسان اپنی اصلاح کی طرف ضرور متوجہ ہوگا۔ اس کے بعد ایک اگلی منزل اور بتا دی گئی ’’تواصی بالحق‘‘۔ دوسروں کے ساتھ خلوص واخلاص کا بھی یہ تقاضا ہے کہ جس بات کو ہم نے حق سمجھ کر اختیار کیا ہے کہ اسی میں آخرت کی نجات ہے وہ اپنے دوست احباب اور رشتہ داروں کو بھی بتائیں۔ اور سب سے بڑی بات یہ کہ آنحضور ﷺ رحمۃ للعالمین بن کر آئے ہیں۔ اب اس امت کے ذمہ ہے کہ پوری نوع انسانی تک اللہ کے اس پیغام کو پہنچائے جو اللہ کی رحمت کا بہت بڑا مظہر ہے۔

عمل صالح یہ ہے کہ انسان خود ٹھیک ہو جائے۔ اب آگے بڑھ کر دوسروں کی بھی اصلاح کی فکر کرنی ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی کرنا ہے۔ نظام کی اصلاح بھی کرنی ہے۔ اللہ کا دین قائم ہوگا تو لوگ اللہ کی طرف متوجہ بھی ہو سکیں گے۔ ان کو عدل وانصاف ملے گا۔ نظام کی سطح پر بے حیائی اور شیطنت کا خاتمہ ہو گا۔ کچھ افراد تو ہوں گے جو فسق وفجور پر کاربند رہیں گے‘ لیکن اسلامی نظام میں رتی برابر بے حیائی بھی قابل قبول نہیں ہوگی۔

اس وقت آپ کسی بھی چوک پر چلے جائیں‘ آپ آنکھوں کی حفاظت کیسے کریں گے؟ بل بورڈز پر کس کس انداز سے نیم عریاں عورتوں کے اشتہارات ہیں اور ان کا حسن ظاہر کرنے کے لیے کیا کیا سٹائل بنائے جاتے ہیں۔ کوئی اخبار اٹھا لیجیے‘ کوئی ٹی وی چینل کھول لیجیے‘ ہر طرف فحاشی اور عریانی ہے۔ انٹرنیٹ کا سب سے غلیظ استعمال یہاں پر ہوتا ہے۔ تو یہ کیسا اسلامی ملک ہے اور کہاں کا اسلامی ماحول ہے؟ یہاں ہم شیطانی ماحول میں بس رہے ہیں۔ لہٰذا ہمیں حق کا بول بالا کرنا ہے۔ اسلام کا نظام قائم ہوگا تو ان چیزوں کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔ پاکیزہ ماحول ہوگا تو انسان کی روحانیت کو بھی جاگنے کا موقع ملے گا۔ یہ نظام شیطنت کی طرف لے جانے والے سارے راستے بند کر دے گا۔ اسی میں تو نوع انسانی کی خیر ہے کہ اس کی نجات اخروی کا سامان ہو سکے گا اور وہ اصل کامیابی ہے۔ اس وقت تو پوری نوع انسانی بگٹٹ دوڑ رہی ہے اس عظیم خسارے کی طرف۔ الا ماشاء اللہ!

اس راستے کی آخری منزل یہ ہے کہ حق کا علمبردار ہو کر جو مشکلات آئیں گی‘ ان کے باوجود صبر واستقامت سے ڈٹے رہنا اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین اور تاکید کرتے رہنا۔

یہ صراط مستقیم کے چار سنگ ہائے میل ہیں۔ اس شاہراہ پر چلو گے تو سیدھا جنت میں جاؤ گے۔ یہ ہے قرآن کی پوری دعوت کا خلاصہ۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کے مطابق زندگی گزارنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں بار بار اس کا مذاکرہ کرنے کی توفیق بخشے۔ اس کو تازہ کرتے رہیے۔ سورۃ العصر کو نماز کے اندر پڑھا کریں اور پڑھتے ہوئے اس کے مفہوم کی طرف بھی دھیان ہو۔ یہ جو ہم دنیا کے اندر گم ہو جاتے ہیں‘ اس کی مصروفیات سے نکلنے کا راستہ یہی ہے کہ نماز قائم کرو۔ دنیا کے دھندوں سے نکل کر اللہ کی ذات کے ساتھ وقت گزارو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں قرآن حکیم کے نور سے زیادہ سے زیادہ مستفید اور مستنیر ہونے اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

دعائے مغفرت — انا للہ وانا الیہ راجعون

☆ تنظیم اسلامی میرپور کے ناظم دعوت فضل حسین کے والد محترم وفات پا گئے۔

☆ تنظیم اسلامی نوشہرہ کے رفیق جناب حفیظ الرحمٰن کی خالہ وفات پا گئیں۔

☆ حلقہ کراچی جنوبی کی مقامی تنظیم سوسائٹی کے رفیق شفیق الرحمان کے والد وفات پا گئے۔

☆ تنظیم اسلامی جہلم کے نقیب اسرہ خلیل الرحمٰن کیانی کی زوجہ محترمہ وفات پا گئیں۔

☆ تنظیم اسلامی گوجر خان کے نقیب اسرہ جاوید اختر کے ماموں جان وفات پا گئے۔

☆ تنظیم اسلامی پشاور صدر کے رفیق جناب احمد شجاع اورکزئی کے چچا جان وفات پا گئے۔

☆ منڈی بہاؤالدین کے رفیق تنظیم رؤف قیصر کے والد وفات پا گئے۔

☆ منڈی بہاؤالدین کے رفیق تنظیم مبشر نعیم کی والدہ وفات پا گئیں۔

☆ ملتان کینٹ کے رفیق پیر عبدالصمد کی چچی اور خالہ زاد وفات پا گئیں۔

☆ حافظ عزیز الرحمٰن خورشید خطیب جامع مسجد فاروقیہ ملکوال، مولانا سعید الرحمٰن علوی اور مولانا عبدالرحمٰن علوی کا جواں سال بھانجا نہر میں نہاتے ہوئے وفات پا گیا۔

اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائے، اور پس ماندگان کو صبر جمیل کی توفیق دے۔ قارئین سے بھی مرحومین کے لیے دُعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

اَللّٰھُمَّ اغۡفِرۡ لَھُمۡ وَارۡحَمۡھُمۡ وَاَدۡخِلۡھُمۡ فِیۡ رَحۡمَتِکَ وَحَاسِبۡھُمۡ حِسَابًا یَّسِیۡرًا

گھر جلانا ہی کیا ضروری ہے؟

عامرہ احسان
amira.pk@gmail.com

کھربوں ڈالر پھونک کر، لاکھوں جانوں کے ضیاع اور نیٹو امریکی فوجی تابوت در تابوت واپس لے جانے کے بعد افغان کٹھ پتلی حکومت عالمی کفریہ طاقتوں کی آشیرباد کے ساتھ طالبان سے مذاکرات کر رہی ہے۔ آنچہ دانا کند، کند ناداں، لیک بعد از خرابیٔ بسیار! ڈیڑھ دہائی کے ناقابل تلافی نقصانات اور انسانیت کے پرخچے اڑا کر دانش کے ان عالمی دعویداروں کے پلے یہ بات پڑی کہ مذاکرات ہی اب واحد حل ہے! عید کے پیغام میں ملا عمر نے بھی مذاکرات کی تائید کر دی ہے۔ حقوق اور مؤقف سے دستبردار نہ ہونے کی وضاحت کے ساتھ! حاصل الحصول یہ ہے کہ توپ و تفنگ سے فکری استبداد مسلط نہیں کیا جا سکتا۔ امریکہ افغانوں کی طرز زندگی، نظام زندگی پر 49 ممالک چڑھا لایا تھا۔ یہ جنگ ایک مکمل نظریاتی اور فکری جنگ تھی۔ اسلام کو کچلنے، اسلام کے نام لیواؤں کو ختم کرنے کی جنگ تھی۔ روشن خیالی کے نام پر مسلم ممالک میں اپنی بے راہ روی، مادر پدر، خدا رسول ﷺ سے آزاد تہذیب مسلط کرنے کی جنگ تھی۔ یہ مسلمانوں کی ملی وحدت ختم کر کے انہیں باہم منقسم و متحارب رکھنے کی جنگ تھی۔ گستاخ رسول ﷺ فرانسیسی رسالے چارلی ایبڈو کے نئے ایڈیٹر نے روز عید گستاخانہ خاکہ نویسی سے توبہ کا اعلان کیا ہے! بعد از خرابیٔ بسیار......! ڈنڈا پیر نے بات سمجھا دی! اس جنگ کا المیہ ہی یہ تھا کہ افغانستان کے خلاف جنگ میں پاکستان مسلم افغانوں اور ملا عمر کے بجائے امریکہ اور عالمی کفریہ صلیبی اتحاد کا فرنٹ لائن اتحادی تھا۔

چودہ مرتبہ رمضان آیا۔ قرآن تراویح میں پڑھا سنا گیا۔ ہر تیسرے چوتھے صفحے پر تاکید موجود تھی۔ تنبیہ موجود تھی۔ سزا کی وعیدیں تھیں۔ یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ وہ تمہارے دشمن ہیں۔ خصوصی تاکید تھی۔ من دون المومنین۔ اہل ایمان کو چھوڑ کر ان کی دوستی کا دم نہ بھرو۔ لیکن پالیسی ساز یا نماز سے کوسوں دور تھے۔ یا قرآن کی زبان اور تعلیم سے کورے، چٹے ان پڑھ تھے۔ سو بھگتان ہم نے دیا۔ قومی، ملی شناخت گم ہو گئی۔ معاشی، دفاعی استحکام تباہ ہوا۔ پامال سرحدیں ہمارے قومی وقار کا منہ چڑاتی رہیں۔ بھارت کا ڈرون تو ہم نے مار گرایا۔ فوری کارروائی کر کے ملبہ قبضے میں لے لیا۔ تاہم امریکی ڈرون تو گویا ہمارے ہی دفاعی نظام کا حصہ تھے! منافقانہ بیانات اور بزدلانہ چشم پوشی کا ایک طویل تسلسل رہا۔ 350 سے زائد مرتبہ امریکی ڈرونوں سے ہماری مغربی سرحدیں پامال ہوئیں۔ بے گناہ شہری بشمول عورتیں بچے اور مویشی بھی نشانہ بنتے رہے ہمارے کان پر جوں تک نہ رینگی! یہ ہماری سوچی سمجھی پالیسی تھی۔ فکری استبداد کا افغانستان میں تو جنازہ پڑھا جا چکا۔ مگر یہ جنگ ہم نے بہ اصرار گود لے کر پاکستان کے طول و عرض میں لڑی۔ تحریر و تقریر، میڈیا، حکومتی پالیسیوں سے لے کر جیلیں عقوبت خانے بھرنے تک۔ امریکہ نے بارہا کامیابی اور فتح کے دعوے ان سالوں میں کیے تھے لیکن بالآخر پسپا ہوا۔ دعوے دھرے رہ گئے۔ فارمولا یہاں بھی وہی ہے۔ ڈاڑھی، مدرسہ، حجاب، مولوی کے خلاف کف آلود زبان و بیان و قلم استعمال ہو یا توپ و تفنگ اور بمباریاں۔ نتیجہ وہی نکلے گا جو افغانستان میں بھاری بھرکم سپر پاوروں کے ساتھ ہوا۔ کاش ہم ہوش کے ناخن لیں۔ اپنے دامن کو آگ لگانے سے باز آ جائیں۔ اسلام سے منہ موڑ کر ہم عجب مخبوط الحواس ہوئے پڑے ہیں۔ نوجوان نسل فکری انتشار کا شاہکار ہے۔ اخلاق و کردار سے عاری۔ ایمان و کفر کے مابین ڈانواں ڈول۔ نہ پورے اس طرف نہ پورے اس طرف۔ خواجہ سرا نما۔ میڈیا سے اس جنگ کے جو ناجائز انڈے بچے فکری سنپولیے برآمد ہوئے اس کے نتائج تہذیبی سطح پر خوفناک ہیں۔ (پورا رمضان اسلامی طرز فکر و نظر کے جو پرخچے افطار ٹرانسمیشنز پر اڑائے جاتے رہے اس پر پیمرا دھتورا پیئے سوتی رہی!)

صرف ایک خبر ملاحظہ ہو۔ یہ ہے روشن خیال پاکستان...... جسے دیکھ کر شرمائیں یہود! پنجاب اسمبلی کے باہر دھرنا۔ کس کا......؟ 274 سے زائد لڑکے لڑکیوں سے زیادتی اور ان پر مبنی فحش ویڈیوز بنا کر 15 ملزمان نے بیرون ملک فروخت کیں۔ خاندانوں کو بلیک میل کر کے 40 کروڑ سے زائد رقم بٹوری۔ قصور کے نواحی گاؤں حسین خان والا کا ہر تیسرا گھر اس سے تباہ ہوا۔ ملزمان کی بااثر شخصیات کی پشت پناہی سے عاجز آ کر اب متاثرہ خاندانوں نے دھرنا دیا ہے! یہ نوجوان نسل ہے جو 78 چینلوں کے مسلط کردہ فحش فکری استبداد کا حاصل ہے۔ امریکہ کو ایسا پاکستان درکار تھا۔ اسے بنانے میں ڈالر، ٹریز، کنٹریکٹر، نظام تعلیم میں بنیادی تبدیلیاں، سب ہی ذرائع استعمال ہوئے۔ تا آنکہ اب حال یہ ہے کہ ایک طالبہ نے بتایا کہ یونیورسٹی کی استاد نے کلاس کو یہ پڑھایا کہ حجاج بن یوسف نے ہندوستان لشکر کیوں بھیجا......؟ وجہ یہ تھی کہ حجاج کا (پکڑی جانے والی عورتوں میں سے ایک) عورت کے ساتھ چکر تھا! اس فیصلے کی وجہ سے کتنے سال اس علاقے میں جنگ اور خوں ریزی ہوتی رہی۔ ٹیچر بہت دکھی ہو رہی تھیں کہ ایک عورت سے چکر کی وجہ سے اتنے لوگ جان سے گئے۔ یہ 9/11 کے بعد کی چکرائی ہوئی نئی نسل کے استاد ہیں! اسی طرح کی ایک اور ٹیچر نے اقبال کے شہرہ آفاق شعر...... کبھی اے حقیقتِ منتظر نظر آ لباسِ مجاز میں...... کو بھی عشق مجازی کے پیرائے میں بیان کرنے کی جاہلانہ جسارت فرمائی کہ اقبالؒ اپنی محبوبہ کا منتظر تھا! امریکہ نے کھربوں ڈالر اس جنگ میں جھونک کر پاکستان کی فکری بربادی ضرور کما لی ہے۔ ایٹمی پاکستان کا خواجہ سرا بنا ڈالا ہے۔ برا ماننے سے پہلے ان دو اساتذہ کے ذہنی افلاس پر غور فرما لیجیے گا! ایسے میں ایک نیم دلانہ غیر حقیقی، وفا نہ ہونے والا ایک اور وعدہ وفاقی حکومت نے کر ڈالا ہے۔ تین ماہ میں تمام وفاقی اداروں میں اردو زبان لاگو کرنے کا! 73ء کے آئین میں 15 سال دیئے گئے تھے سرکاری زبان کے طور پر اردو رائج کرنے کے لیے۔ 15 سال آج تک پورے نہ ہو سکے، بیالیس سال بیت چکے! اتنے سالوں میں ہم نے جو زبان کمائی وہ بھی ایک شاہکار ہے۔ نہ اردو رہی نہ انگریزی! غلط اردو اور غلط انگریزی کا عجب ملغوبہ! ایک طالبہ نے فون پر گفتگو (باقی صفحہ 10 پر)

”مگر جو جانِ انجمن تھا وہ کہیں چلا گیا!“

انجینئر نعمان اختر

مرکزی ناظم تعلیم و تربیت، استادِ محترم، شفیق روحانی والد، مزکی و مربی، خادم قرآن، بانی تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمدؒ کے دیرینہ شاگرد محترم حافظ انجینئر نوید احمد صاحب 8 ماہ ہڈیوں کے کینسر کی وجہ سے شدید تکلیف میں مبتلا رہنے کے بعد رضائے الٰہی سے انتقال فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون!

شریکِ بزمِ دل بھی تھا، چراغ بھی اور پھول بھی
مگر جو جانِ انجمن تھا وہ کہیں چلا گیا

بلاشبہ و مبالغہ استادِ محترم نوید صاحب اپنی ذات میں ایک انجمن کی حیثیت رکھتے تھے اور کئی اعتبارات سے قابلِ رشک شخصیت کے مالک تھے۔ خاص طور پر جو حضرات قرآن کی خدمت کے طلب گار ہیں، تو ان کے لیے تو واقعتاً وہ مشعلِ راہ ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے فرمانِ مبارک ”کُنْ فِی الدُّنْیَا کَاَنَّکَ غَرِیْبٌ اَوْ عَابِرِ سَبِیْلٍ“ (دنیا میں ایسے رہو جیسے اجنبی ہو یا راستہ عبور کرنے والے مسافر) کے مصداق تھے۔ اپنے اساتذہ کی عزت، اپنے چھوٹوں پر شفقت، اپنے ہم عمر تحریکی ساتھیوں کی قدر کرنے والے تھے۔ اپنے شاگردوں کو استاد بنانے کے فن کے ماہر تھے۔ 27 نومبر 1985ء کو اقامت دین کی جدوجہد کے لیے تنظیمی قافلہ میں شامل ہوئے۔ کئی تنظیمی ذمہ داریوں پر فائز رہے۔ داعیانہ تڑپ قابلِ رشک تھی۔ مجھے انجینئرنگ کے بعد جاب پر لگے ابھی تقریباً دو سال ہی ہوئے تھے۔ کہنے لگے کہ نعمان صاحب، انجینئر تو بہت بن جائیں گے لیکن خادمِ قرآن کی قلت ہے۔ آپ اپنے آپ کو انجمن خدام القرآن کے لیے وقف کر دیں۔ میں ان کے دروسِ قرآنی سے متاثر ہو کر پہلے ہی ذہنی طور پر تیار تھا۔ میں نے عرض کی کہ اگر آپ والد صاحب سے مل کر اجازت طلب کر لیں تو میں راضی ہوں۔ والد صاحب سے ملاقات کر کے اُن کو راضی کرنے کی کوشش کی۔ والد صاحب ان کی بڑی عزت کرتے تھے۔ اُن کے سامنے تو کچھ نہیں کہا لیکن نوید صاحب کے جاتے ہی مجھے ڈانٹ کر کہا کہ اس لیے 4 سال انجینئرنگ کرائی تھی۔ بہرحال میں مایوس ہو کر نوید صاحب کے پاس گیا اور کہا کہ والد صاحب راضی نہیں ہوئے۔ لیکن یہ انہی کی خاص دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ ایک ہفتہ بعد والد صاحب نے اجازت مرحمت فرما دی۔

یہ انہی کی محنت شاقہ تھی کہ کراچی کی سطح پر بہترین مدرسین تیار ہوئے۔ رجوع الی القرآن کی تحریک نے زور پکڑا اور دیکھتے ہی دیکھتے کراچی میں انجمن کے تحت دو اکیڈمیز اور کئی ذیلی مراکز قائم ہو گئے جہاں نوید صاحب کے بنائے ہوئے شاگرد تدریسی عمل جاری رکھے ہوئے ہیں اور اُن کے لیے صدقہ جاریہ بن رہے ہیں۔ الحمدللہ، جوانی میں حفظِ قرآن کی سعادت حاصل کی۔ 1994ء میں بانی محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ کی دعوت پر لبیک کہتے ہوئے ایک سرکاری ادارے NR Tech کی ملازمت کو خیر باد کہہ کر ہمہ وقتی انجمن خدام القرآن سندھ سے وابستہ ہو گئے۔ تصنیف و تالیف میں نوید احمد صاحب کی خدمات گراں قدر ہیں۔ منتخب نصاب کے چھ حصوں پر نکات مرتب کیے کہ جن کی مدد سے قرآن فہمی کورس میں منتخب نصاب کی تدریس میں بہت سہولت پیدا ہو گئی۔ پھر اُن کی چیدہ تصانیف میں ”چہرہ کا پردہ“ نامی کتاب کو عوام میں کافی مقبولیت حاصل ہوئی۔ ”تمباکو نوشی کے مضر اثرات“ تحریر کو بھی عوام میں پذیرائی ملی۔ پھر ”ترجمہ برائے تدریس قرآن حکیم“ کے نام سے سات جلدوں پر مشتمل قرآن حکیم کی طویل آیات کی مناسب حصوں میں تقسیم کر کے اُس کا بیانیہ ترجمہ مع ذیلی عنوانات و خلاصۂ مضامین اُن کے تصنیفی کاموں میں بے مثال کاوش ہے، جس نے دورہ ترجمہ قرآن کرانے والوں کے لیے بہت سہولت پیدا کر دی۔ اس کی دو جلدیں منظر عام پر آ چکی ہیں اور ان شاء اللہ بقیہ جلدیں بھی جلد استفادے کے لیے دستیاب ہوں گی۔ اس تصنیف کی تکمیل میں اُنہوں نے جو دن رات ایک کیا اور جان گھلائی ہے وہ اُن کے قریبی ساتھی اچھی طرح سے جانتے ہیں۔

1978ء میں کورنگی کے علاقے میں منتقل ہوئے تو استاذ محترم مختار حسین فاروقی کی شاگردی کا شرف حاصل ہوا۔ مختار صاحب کورنگی سے منتقل ہوتے ہوئے بڑا حسین پودا نوید صاحب کی صورت میں لگا گئے، جو خوب برگ و بار لایا۔ نوید صاحب کی انتھک کاوشوں سے کورنگی کے علاقے سے تنظیم و انجمن دونوں اداروں کے لیے بڑے قیمتی ذمہ دار اور اساتذہ فراہم ہوئے۔ کورنگی کی جامع مسجد طیبہ میں مختار صاحب کے بعد خطیبِ جمعہ کی ذمہ داری بڑی خوبی سے ادا کرتے رہے اور اپنے منفرد طرزِ کلام اور جوشِ خطابت کے گہرے نقوش محلہ والوں پر چھوڑ گئے۔ اسی مسجد میں ہر جمعرات کو بعد نمازِ عشاء سلسلہ وار ترجمہ قرآن کی سعادت بھی ادا کرتے رہے۔ مرکز میں ناظمِ تعلیم و تربیت کی ذمہ داری ملنے کے بعد یہ ذمہ داری راقم کے سپرد کی۔ مسجد کمیٹی کے صدر کی ذمہ داری بھی ادا کرتے رہے۔ انجمن خدام القرآن سندھ کے کاموں میں وسعت کے لیے ہر وقت فکر مند رہنا اور انتظام و انصرام کے لیے اُن کی کاوشیں تعریف کے لائق ہیں۔ انجمن سندھ کے دستور کو بنانے میں جو ذہنی و جسمانی صلاحیتیں مختلف ساتھیوں نے لگائیں اُن میں نوید صاحب کا بہت اہم اور بڑا کردار رہا۔ پہلی مرتبہ 1990ء میں مسجد طیبہ میں دورہ ترجمہ قرآن کی سعادت حاصل کی۔ الحمدللہ 20 سے زائد مرتبہ رمضان المبارک کی ساعتوں میں دورہ ترجمہ قرآن مکمل کیے۔ اپنی زندگی کا آخری دورہ امیر محترم سے اجازت لے کر اپنے آبائی گاؤں ہری پور میں اس نیت سے کرایا کہ اپنے اعزا و اقارب تک قرآن کی دعوت کے ذریعے کوئی تحریک پیدا ہو جائے۔ اللہ سے دعا ہے کہ اُن کی نیت میں برکت ڈال دے اور اُن کی کاوشوں سے اُس جگہ کوئی دینی حرکت پیدا ہو جائے۔

اگر آپ سورۃ الفرقان میں بیان کردہ عباد الرحمٰن کے اوصاف پر نگاہ ڈالیں تو سارے ہی اوصاف نوید احمد صاحب کی شخصیت میں نظر آتے ہیں۔ راتوں کو زندہ کرنے والے، لغویات سے پرہیز کرنے والے، اپنے اوقات کا بہترین استعمال کرنے والے، کم پر راضی رہنے والے۔ گلی ہو، محلہ ہو، مسجد ہو ہر ایک کے مسائل میں دلچسپی لے کر اُن کو حتی المقدور حل کرنے کی سعی فرماتے تھے۔ فارغ اوقات میں اپنی زبان کو آیاتِ الٰہی سے تر رکھنے والے تھے۔ اُن کی خدمتِ قرآن کی وجہ سے میری

بڑی خواہش تھی کہ میں اُن کا ماتھا چوموں لیکن استاد کے ادب کی وجہ سے یہ خواہش اُن کی زندگی میں تو پوری نہ ہو سکی لیکن اللہ نے آپ کے انتقال کے بعد یہ خواہش پوری فرما دی۔

حالیہ سالانہ اجتماع کا مرکزی موضوع اور اُس کے لیے پوری ترتیب اور مضامین کے چناؤ کی ذمہ داری بحیثیت ناظم تعلیم و تربیت ادا کی۔ اجتماع میں بیماری کے باعث شریک نہ ہو سکے لیکن امیر محترم نے نوید احمد صاحب کی تحسین کرتے ہوئے جو الفاظ ادا کیے وہ واقعتاً بڑے قابلِ رشک تھے کہ ''جس طرح مصعب بن عمیرؓ نے اپنی جوانی میں قرآنِ حکیم کی خدمت کی، یہ جوش و جذبہ اور خادمِ قرآن کے اوصاف نوید احمد صاحب میں نظر آتے ہیں اور وہ آج اس اجتماع میں نہیں لیکن مجھے یقین ہے کہ وہ ہم سب سے بڑھ کر اجر لے گئے ہیں۔'' جس دن ہم سالانہ اجتماع سے واپس کراچی لوٹے تو اُسی شام میں نوید صاحب کے پاس گیا۔ اُس وقت آپ آغا خان ہسپتال میں ایڈمٹ تھے۔ میں نے امیر محترم کے یہ تحسینی کلمات اُن کے سامنے رکھے تو بڑی عاجزی سے فرمایا کہ بندہ تو اس رتبہ کے قابل نہیں، بس اللہ محنتوں کو قبول کر لے۔

اللہ پر توکل اور اعتماد بھی خوب تھا۔ جب انہیں کینسر کے مرض سے متعلق تفصیل سے آگاہ کر دیا گیا تو آخری سانس تک کبھی بھی اس بیماری کے ضمن میں گفتگو نہیں کی۔ کینسر کی تشخیص کے لیے ایک ٹیسٹ ہونا تھا جس میں انجکشن کے ذریعہ ہڈی کا گودہ نکالنا تھا جو بڑا تکلیف دہ مرحلہ ہوتا ہے۔ ٹیسٹ کے بعد فرماتے تھے کہ جب ڈاکٹر نے کہا کہ اب ہم ایک انجکشن ہڈی میں ڈالیں گے جس سے تکلیف ہوگی، آپ کو تھوڑا برداشت کرنا ہوگا تو کہتے ہیں کہ اُس وقت اللہ نے قرآنِ حکیم کی ایک آیت ذہن میں ڈال دی کہ '' كَلَّا ۚ إِنَّ مَعِيَ رَبِّي سَيَهْدِينِ '' اس کو میں دہراتا رہا جس سے تکلیف کی شدت کا احساس نہ ہوا الحمدللہ۔ دوائیوں کے اثرات کی وجہ سے جب غنودگی میں ہوتے تو گھر والوں اور قریبی ساتھیوں نے دیکھا کہ اُس کیفیت میں قرآنِ حکیم کے دروس اُن کی زبان سے جاری رہتے۔ کبھی تنظیمی ساتھیوں کے نام پکار کر اُن سے ملاقات کر رہے ہیں اور دینی نصیحتیں فرما رہے ہیں۔ واقعی جو شے انسان کے اندر رچی بسی ہو وہی اس کیفیت میں انسان کی زبان پر جاری ہوتی ہے۔ شدید تکلیف میں بھی جو بھی ساتھی عیادت کے لیے آتا تو جو اُن کے اندر مزاح کا پہلو تھا اُس کو محسوس کرتا۔ عیادت کرنے والے کو بڑا مطمئن کر کے واپس کرتے۔ ملنے والا کوئی شکوہ و شکایت زبان پر نہ پاتا۔

23 مارچ 2015ء کو اُنہوں نے اپنی وصیت اپنے بڑے صاحبزادے حماد الرحمٰن کو لکھوائی۔ واقعتاً ایک بندہ مومن کی جو وصیت ہونی چاہیے، اُن کی وصیت اُسی کا عکاس تھی۔ ساتھ ہی گزارش کی کہ میری طرف سے تمام رفقاء واحباب سے گزارش کر دی جائے کہ اگر زندگی میں اُن کی ذات سے کسی کو بھی تکلیف پہنچی ہو تو اللہ کے لیے اُن کو معاف کر دیا جائے۔ ساتھ ہی یہ بھی تاکید کی کہ جنازے اور تدفین میں دیر نہ کی جائے۔

نوید احمد صاحب یکم نومبر 1962ء، شب جمعہ کے وقت پیدا ہوئے اور جمعۃ الوداع کو رمضان المبارک کی مبارک ساعتوں میں نماز جمعہ کے دوران روح پرواز کی۔ الحمدللہ، مشورہ کے بعد اسی دن بعد نمازِ عصر نماز جنازہ ہوئی اور مغرب سے پہلے پہلے 29 ویں روزہ کو رمضان المبارک کی مقدس ساعتوں میں ہی تدفین مکمل ہوگئی۔ روزہ افطار کرنے سے پہلے قیمتی اوقات میں قبرستان میں اُن کے لیے دعاؤں کا اہتمام ہوا۔ استاد محترم کے جنازے میں رفقاء واحباب کی ایک بہت بڑی تعداد موجود تھی اور ہر ایک جنازے کو دیکھ کر رشک کر رہا تھا۔ جس نے بھی چہرے کو دیکھا وہ تعریف کیے بغیر نہ رہ سکا۔ واقعتاً اقبال نے بندہ مومن کی موت کی جو تصویر کشی کی ہے وہ اُس کا مصداق تھے کہ

نشانِ مردِ مومن باتو گویم
چوں مرگ آید تبسم برلب است

کیا میں تمہیں مردِ مومن کی نشانی بتاؤں کہ جب اسے موت آتی ہے تو اُس کے لبوں پہ مسکراہٹ آجاتی ہے۔ اُن کی بیماری کے بعد جن رفقاء واحباب نے دل کی گہرائیوں کے ساتھ اُن کے لیے دعا فرمائی اور ساتھ ہی اُن کی خدمت کی تو اپنی زندگی میں نوید صاحب اُن کے لیے دعا اور شکریہ کا اہتمام فرماتے تھے۔ خاص طور پر ڈاکٹر ناصر اور ڈاکٹر نجیب نعمت اللہ صاحبان کی خدمات کی بڑی تحسین فرمایا کرتے تھے کہ جنہوں نے بہت خلوص وجذبہ سے لوجہ اللہ اُن کی ہر طرح سے معاونت کی۔ ہم رفقاء بھی اُن کے تہہ دل سے شکر گزار ہیں اور اللہ سے امید ہے کہ ایک بندہ مومن کے لیے جو خدمات انہوں نے دی ہیں اللہ اُن کے حق میں اُن کاوشوں کو ضرور توشۂ آخرت بنائے گا۔ ان شاء اللہ۔

نوید احمد صاحب اپنے درس کے بعد دعا کے اختتام میں یہ الفاظ ضرور دو دفعہ دہراتے تھے کہ ''اے اللہ اس حال میں موت عطا فرما کہ تُو ہم سے راضی ہو''۔ مجھے قوی امید ہے کہ جو بھرپور زندگی دینی خدمت میں اور خادم قرآن کی حیثیت سے انہوں نے گزاری ہے تو سورۃ الفجر کی آخری آیات کے مصداق وہ مطمئن جان کی صورت میں اپنے خالقِ حقیقی کی طرف لوٹے ہوں گے۔

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ (27) ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (28) فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ (29) وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ (30)

اللہ سے امید ہے کہ جس تکلیف میں اُن کی جان نکلی ہے، اس مرض کے طفیل اُس نے انہیں شہادت کا رُتبہ عطا فرمایا ہوگا۔ اللہ اُن کی خطاؤں ولغزشوں سے درگزر فرمائے، قبر کو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنائے اور ان کی دینی خدمات کا بہترین اجر عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

☆☆☆☆

بقیہ : کار تریاقی

کرتے ہوئے اتنی روانی سے مکمل غلط انگریزی بولی کہ ہم اس کے اعتماد اور روانی فراوانی پر مبہوت ہو کر رہ گئے! یہی حال اردو کا ہے۔ لکھنے میں اغلاط کا عالم ہی نہ پوچھیے۔ دیہاتوں تک میں ذریعہ تعلیم انگریزی ہو چکا۔ (ان کی ناخواندگی بڑھانے کا ایک اور سامان!) نظام تعلیم بدلے بغیر آپ زبانی انقلاب تو لا سکتے ہیں تاہم اردو زبان کی یتیمی و یسیری دور کرنا ممکن نہیں۔ انگریزی زبان خود ایک ایگزیکٹ ڈگری کا درجہ رکھتی ہے! ریحام خان کی فرفر انگریزی کے بعد انہیں اور کس ڈگری کی ضرورت ہے......؟ ہمارے ہاں قیادت کے منصب کے لیے بھی گیٹ اپ اور زبان کا انگریزی ہونا اہم ترین ہے۔ یادش بخیر...... جب امریکی صدر بل کلنٹن بے پناہ نخوت کے ساتھ پاکستان وارد ہوا تو اس وقت صدر صاحب بارلیش (سابق جج) رفیق تارڑ تھے۔ کلنٹن کی اخلاقی شہرت کو مونیکا لیونسکی وائرس ڈس چکا تھا۔ پھر بھی ہمارے ہاں کھسیائے ہوؤں کی کمی نہ تھی کہ وہ گورے صدر (کالے کرتوتوں والے) کے سامنے تارڑ صاحب کے ڈاڑھی شیروانی کے ساتھ پیش ہونے پر نہایت شرمسار تھے! افغانوں نے امریکہ کو پشتو میں ناکوں چنے چبوا دیے۔ ادھر ہم انگریزی فرفر بولتے، ٹائی سوٹ کسے، ایٹم بم بغل میں دابے کسمپرسی کا شاہکار ہیں! لیا اپنی ہی صورت کو بگاڑ!

گھر کی تاریکیاں مٹانے کو
گھر جلانا ہی کیا ضروری ہے؟

پوری زندگی کا روزہ

مسجد جامع القرآن، قرآن اکیڈمی لاہور میں امیر تنظیم اسلامی حافظ عاکف سعید ﷾ کے 24 جولائی 2015ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

ماہ رمضان اپنی رحمتوں اور برکتوں کے ساتھ رخصت ہو چکا ہے۔ اور آج ماہ شوال کا پہلا جمعہ ہے۔ عیدالفطر کے موقع پر خوشی بھی ہوتی ہے کہ اللہ نے ہمیں رمضان کے روزے رکھنے، تراویح پڑھنے اور زیادہ سے زیادہ اعمال صالحہ کرنے کی توفیق عطا فرمائی اور ساتھ ہی یہ احساس بھی ہوتا ہے کہ یہ برکتوں والا مہینہ گزر گیا ہے۔ پھر دل میں یہ آرزو بھی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اگلے رمضان تک ہمیں موقع دے دے۔

ماہ رمضان کے بعد ہمارا طرز عمل کیا ہونا چاہیے، اس حوالے سے ابتدا میں میں نے سورۃ البقرۃ کے 23ویں رکوع کی ایک آیت تلاوت کی جس میں ہمارے لیے خوشخبری اور بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری دعائیں سنتا بھی ہے اور قبول بھی کرتا ہے۔ فرمایا:

﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ(186)﴾

”اور (اے نبی ﷺ!) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو (ان کو بتا دیجیے کہ) میں قریب ہوں۔ میں تو ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب بھی (اور جہاں بھی) وہ مجھے پکارے۔ پس انہیں چاہیے کہ وہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان رکھیں' تا کہ وہ صحیح راہ پر رہیں۔“

اس آیت کا رمضان المبارک سے خصوصی تعلق ہے۔ درحقیقت انسان کے اندر ایک پورا حیوان موجود ہے' لیکن انسان کے اندر ایک روح بھی ہے جو امر ربی ہے۔ اس روح کو بیدار کرنے کا خصوصی موقع رمضان میں ملتا ہے۔ عام دنوں میں ہماری ساری توجہ بالعموم اپنے حیوانی تقاضوں کی طرف ہوتی ہے اور اندر روح سسکتی رہتی ہے اور اس کی ہمیں کوئی پروا نہیں ہوتی جبکہ روزے میں انسان حرام سے بھی رکتا ہے، اپنی زبان کو بھی کنٹرول کرتا ہے اور ساتھ حلال چیزوں سے بھی اپنے آپ کو روک کے رکھتا ہے۔ پھر رات کو قرآن مجید کے ساتھ وقت گزارتا ہے۔ اس کے نتیجے میں روح بیدار ہوتی ہے اور انسان اللہ کی طرف رجوع کرتا ہے، رب کا قرب حاصل کرنے کے لیے دعا کرتا ہے۔ اس آیت میں فرمایا گیا کہ ہمارا رب ہمارے بہت قریب ہے' وہ دعاؤں کو سنتا بھی ہے اور اس سے بڑھ کر جواب بھی دیتا ہے۔

انسان اور رب کا یہ معاملہ صرف رمضان میں خاص نہیں ہے بلکہ یہ ہمیشہ کے لیے ہے۔ احادیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہر رات کے آخری پہر صدا لگائی جاتی ہے کہ: ہے کوئی مانگنے والا کہ میں اس کو دوں؟ اس حوالے سے ایک حدیث ملاحظہ ہو۔ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا:

((یَنْزِلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰی كُلَّ لَیْلَةٍ اِلَی السَّمَاءِ الدُّنْیَا حِینَ یَبْقٰی ثُلُثُ اللَّیْلِ الْآخِرُ یَقُولُ مَنْ یَدْعُونِی فَأَسْتَجِیبَ لَهُ مَنْ یَسْأَلُنِی

مرتب: حافظ محمد زاہد

فَأُعْطِیَهُ مَنْ یَسْتَغْفِرُنِی فَأَغْفِرَ لَهُ)) (بخاری)

”ہمارا رب تبارک وتعالیٰ ہر رات کو آسمانِ دنیا کی طرف اترتا ہے، جس وقت کہ آخری تہائی رات باقی رہتی ہے، اور فرماتا ہے کہ کون ہے جو مجھے پکارے، تو میں اس کی پکار کو قبول کروں؟ کون ہے جو مجھ سے مانگے تو میں اسے دوں؟ کون ہے جو مجھ سے مغفرت چاہے تو میں اسے بخش دوں۔“

روزانہ آپ کے پاس موقع ہے، ہر شخص جب چاہے، جہاں چاہے اپنے رب کو پکارے۔ اقبال نے کہا تھا:

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے؟ رہرو منزل ہی نہیں

اللہ تعالیٰ تو ہر رات پکار لگا رہا ہے' لہٰذا ہمیں پورا سال اس سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔

رمضان میں ہم اللہ اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق دو عبادتوں کا اہتمام کرتے ہیں: (1) دن کا روزہ اور (2) رات کا قیام' جس کی کم سے کم شکل نماز تراویح ہے۔ قرآن کتاب ہدایت ہے اور اگر ہم سمجھ کر نہیں پڑھیں گے تو ہدایت میں سے ہمیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ البتہ تلاوت کا ثواب ملے گا اور اللہ کی رحمت بھی شامل حال ہوگی کہ میرا بندہ میرے کلام کو عقیدت کے ساتھ پڑھ رہا ہے۔ چنانچہ تلاوت کرنا بھی خیر سے خالی نہیں ہے' لیکن قرآن کی ہدایت تب حاصل ہوگی جب ہم اس کو سمجھ کر پڑھیں گے۔

بہرحال، یہ دو عبادتیں ہیں جن کا ہمیں ماہ رمضان میں موقع ملتا ہے۔ روزہ صحیح طور پر رکھا جائے تو اس کا اجر وثواب بے حساب ہے۔ اور اگر قرآن کے ساتھ تعلق قائم ہو جائے تو قرآن تو ایسی شے ہے کہ جس سے اللہ کی رحمت انسان کو ڈھانپ لیتی ہے۔ ازروئے قرآن وحدیث انسانوں کے لیے اس زمین کے اوپر سب سے بڑا تحفہ قرآن ہی ہے۔ لہٰذا رمضان المبارک میں ہم نے ان دونوں تحفوں سے فائدہ اٹھالیا ہے۔

اب ہم تجزیہ کرتے ہیں کہ رمضان کا پورا مہینہ ان دو عبادتوں کے ساتھ گزارنے کے بعد آگے بقیہ سال ہمارا طرز عمل کیا ہونا چاہیے! سب سے پہلے ہم روزے کو لیتے ہیں۔ روزے میں ہم کچھ چیزوں کو اپنے اوپر ممنوع قرار دے دیتے ہیں۔ صبح صادق سے غروب آفتاب تک کھانے پینے کی پابندی ہے۔ حلال چیزیں بھی ہم نہیں کھا سکتے۔ اپنے جنسی جذبے پر بھی پابندی ہے کہ بیوی کے ہوتے ہوئے بھی قریب نہیں جائیں گے۔ اس پابندی کا نام روزہ ہے اور اس پابندی کے ذریعے ہمیں ضبطِ نفس کی مشق کرائی جا رہی ہے۔ اس مشق کا اصل حاصل یہ ہے کہ سال کے بقیہ گیارہ مہینے بھی انسان یہ عزم رکھے کہ جس اللہ کی رضا کے لیے میں رمضان میں حلال چیزوں سے بچا ہوں اسی اللہ کی رضا کے لیے میں کم سے کم ناجائز چیزوں سے تو بچوں۔ اصل میں یہ سوچ ہے جو انسان کو انسان بناتی ہے اور اگر نفس حاوی ہو جائے تو پھر وہ انسان نہیں رہتا' حیوان بن جاتا ہے۔ اگر ہم نے اپنے نفس کو کنٹرول نہیں کیا تو پھر ہم اللہ کی بندگی کر ہی نہیں سکتے' بلکہ ہم اپنے نفس کے غلام بن جاتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے: ﴿اَرَءَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ ؕ﴾ (الفرقان:43) یعنی جس کا مقصد صرف اپنی

نفسانی خواہشات کو پورا کرنا ہے اس نے اللہ کو رب نہیں مانا بلکہ اپنے نفس کو رب مانا ہے۔ لہٰذا رمضان کے مہینے کی ایکسرسائز کا حاصل یہ ہے کہ بقیہ گیارہ مہینے گناہوں اور حرام کاموں سے بچنے کی شعوری کوشش کرنی چاہیے۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی نے بڑی پیاری بات فرمائی کہ روزہ یہ نہیں ہے کہ رمضان کے مہینے میں روزہ رکھنا‘ بلکہ روزہ ایک اور بھی ہے اور اس روزے کا اختتام موت پر ہوگا۔ گناہوں سے رکنا اور حرام سے رکنا، یہ وہ روزہ ہے جو پوری زندگی کا ہے اور یہ موت تک چلے گا۔ یہ بھی آپ کو پتا ہونا چاہیے کہ شیطان ہر وقت انسان کے پیچھے لگا ہوا ہے اور اگر کسی وقت انسان شیطان کے پھندے میں آ کر صراط مستقیم سے ہٹ گیا اور اس وقت اس کی موت واقع ہوگئی تو آنحضورﷺ کے فرمان کے مطابق انسان کا انجام اس کی عمر کی آخری کیفیت کے مطابق ہوگا۔ بعض احادیث میں آتا ہے کہ ایک شخص صراط مستقیم پر چلتا جاتا ہے اور اس کے اور جنت کے درمیان ایک ہاتھ بھر کا فاصلہ رہ جاتا ہے لیکن پھر وہ جہنمیوں کے اعمال شروع کر دیتا ہے اور اس کا انجام جہنم کا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اگر کبھی ذرا سی بھی کوتاہی ہو جائے تو فوراً توبہ کرنی چاہیے‘ نہیں معلوم کہ کس وقت موت آجائے۔

مسلمان کی زندگی تو اس سے عبارت ہے کہ وہ ہر وقت اپنے نفس اور شیطان سے جنگ کر رہا ہے اور اسی شیطان کو کنٹرول کرنے کے لیے یہ روزہ کی عبادت ہے جو ہمارے پاس ایک بہت موثر ہتھیار ہے۔ یہ روزہ ہمیں شیطان اور اس کی ترغیبات سے بچانے کے لیے طاقت فراہم کرتا ہے اور پھر اس طاقت کے ذریعے انسان بقیہ گیارہ مہینے اللہ کی حرام کی ہوئی چیزوں سے بچتا ہے۔

دوسرا معاملہ ہے قرآن مجید کا۔ رمضان کا مہینہ نزول قرآن کا مہینہ ہے۔ اس ماہ میں مسلمان کا قرآن سے ایک تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ اب اس تعلق کو بقیہ گیارہ مہینے برقرار رکھنا بندۂ مؤمن سے مطلوب ہے۔ صحابہ کرامؓ کے دور میں تیس پاروں کی تقسیم نہیں تھی۔ سورتیں تھیں اور سات احزاب تھے۔ ایک ایک حزب روزانہ پڑھ کر ایک مسلمان ہفتے میں پورے قرآن کی تلاوت مکمل کرتا تھا۔ پھر جب مسلمانوں کے جوشِ ایمانی میں کمی آنے لگی اور دنیا کی طرف توجہ زیادہ ہونے لگی تو ایک حزب پڑھنا آسان نہیں رہا۔ لہٰذا تیس پاروں کی تقسیم اس لیے کی گئی کہ کم از کم ایک مہینے میں قرآن کی تلاوت مکمل کر لی جائے۔ جب ہم قرآن کو پڑھیں گے تو ایمانی جذبات میں اضافہ ہو گا اور جتنا ایمان مضبوط ہو گا اتنا ہی انسان کے لیے گناہوں سے اور حرام سے بچنا ممکن ہو سکے گا۔ ہم اگر سارا سال حرام سے گناہوں سے بچنے کی کوشش کر رہے ہیں تو بہت بڑی سپورٹ یہ قرآن ہوگا۔ جب وہ ایمانی جذبات سرد پڑنے لگتے ہیں تو اسی قرآن کے ذریعے دوبارہ پروان چڑھیں گے۔ آپ کو ایک پارہ مشکل لگتا ہے تو ایک‘ دو رکوع مع ترجمہ سے شروع کر لیں۔

اس ماہ مبارک کی برکات سے فائدہ اٹھانے کا یہی ایک واحد راستہ ہے اور اسی کے ساتھ دوسری چیزیں بھی پنہاں ہیں۔ قرآن کے ساتھ ہمارا تعلق مضبوط ہو گا تو ایمانی جذبات پروان چڑھیں گے اور پھر اعمال صالحہ جاری ہوں گے۔ اس کے نتیجے میں دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت ہمارے ساتھ ہوگی اور اللہ ہمیں سربلندی، عزت اور وقار بھی دے گا۔ اگر یہ تعلق کمزور پڑ گیا تو وہی حال ہوگا جو اس وقت پوری امت کا ہے کہ ذلت و مسکنت کا عذاب مسلط ہے اور یہ بات اللہ کے رسولﷺ نے واضح کر دی تھی: ((اِنَّ اللّٰہَ یَرْفَعُ بِھٰذَا الْکِتَابِ اَقْوَامًا وَّیَضَعُ بِہٖ آخَرِیْنَ)) (مسلم) ’’یقیناً اللہ اس کتاب کی بدولت کئی قوموں کو اٹھائے گا اور کئی دوسری قوموں کو گرائے گا‘‘۔ اقبال نے اس بات کو اپنے شعر میں یوں بیان کیا:

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر

ہم نے قرآن کو ترک کر دیا لہٰذا ذلت و خواری ہمارا مقدر بن چکی ہے۔ اس سے نکلنے کا واحد راستہ یہی ہے کہ قرآن کی رسی کو مضبوطی سے تھامو‘ اسی کو اپنی راہ عمل بناؤ اور اسی سے ہدایت حاصل کرو: ﴿وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا ۪﴾ (آلِ عمران 103) ’’اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تمام لوگ مل جل کر اور تفرقے میں نہ پڑو‘‘۔ جب اس رسی کو مضبوطی سے پکڑو گے تو آپس میں بھی قریب آجاؤ گے جبکہ اس سے جتنا دور رہو گے، اتنا آپس میں بھی اختلافات‘ دشمنیاں اور کشیدگیاں بڑھتی چلی جائیں گی۔

آج پوری امت کا یہی حال ہے۔ پوری امت کو چھوڑ دیجیے، پاکستانی قوم کو لے لیجیے۔ اس کا کیا حال ہے‘ کتنے حصوں میں بٹی ہوئی ہے‘ کس کس قسم کی منافرتیں اس ملک کے اندر موجود ہیں۔ یہاں عظیم اکثریت مسلمانوں کی ہے لیکن سیاسی بنیادوں پر دشمنیاں، مذہبی بنیادوں پر دشمنیاں، علاقائی بنیادوں پر دشمنیاں، لسانی حوالے سے دشمنیاں‘ کون سی دشمنی ہے جو ہمارے ہاں نہیں ہے۔ یہ سب قرآن کو چھوڑنے کا نتیجہ ہے۔

ہم میں سے ہر ایک کو آج یہ عہد کرنا ہے کہ پورا سال ہم قرآن کی تلاوت کریں گے اور اس کو ترجمے کے ساتھ پڑھیں گے۔ ہم نے دنیوی تعلیم کے حصول کے لیے بیس بائیس سال لگائے ہیں تو ایک دو سال ہم عربی سیکھنے میں بھی لگائیں تاکہ قرآن کو پڑھتے ہوئے ہمیں اس کا مفہوم بھی سمجھ میں آئے۔ یہ بھی ہماری ذمہ داری بنتی ہے لیکن اگر اس تک رسائی نہیں بھی ہو رہی تو تراجم اور تفاسیر کی مدد سے قرآن کے مطالعہ کو ہم اپنا معمول بنالیں۔ اس طرح رمضان کی برکات سے ہم سارا سال مستفید ہوتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین!

داعی رجوع الی القرآن بانی تنظیم اسلامی
محترم ڈاکٹر اسرار احمدؒ
کے شہرۂ آفاق دورہ ترجمہ قرآن پر مشتمل
بیانُ القرآن
ترجمہ و مختصر تفسیر

حصہ اول (گیارہواں ایڈیشن) — صفحات:360، قیمت 475 روپے
حصہ دوم (آٹھواں ایڈیشن) — صفحات 321، قیمت 425 روپے
حصہ سوم (چھٹا ایڈیشن) — صفحات 331، قیمت 425 روپے
حصہ چہارم (پانچواں ایڈیشن) — صفحات 394، قیمت 485 روپے
حصہ پنجم (چوتھا ایڈیشن) — صفحات 480، قیمت 575 روپے
حصہ ششم (تیسرا ایڈیشن) — صفحات 484، قیمت 590 روپے
حصہ ہفتم (پہلا ایڈیشن) — صفحات 560، قیمت 650 روپے

مکتبہ خُدام القرآن لاہور
K-36، ماڈل ٹاؤن لاہور، فون 3-35869501(042)

پاکستان کے موجودہ حالات

22جولائی 2015ء کو منعقدہ نشست کی تلخیصی رپورٹ

مہمانانِ گرامی: بریگیڈیئر (ر) ڈاکٹر غلام مرتضیٰ (دفاعی تجزیہ نگار)
ایوب بیگ مرزا (ناظم نشرواشاعت، تنظیم اسلامی)

میزبان: وسیم احمد

مرتب: محمد خلیق

سوال: جنرل راحیل شریف نے عید شمالی وزیرستان میں فوجی جوانوں کے ساتھ منائی ہے' کور کمانڈر کراچی شہداء صفورا کے خاندانوں سے ملے ہیں لیکن ہماری سیاسی قیادت مدینہ منورہ' لندن اور دبئی میں عید کی چھٹیاں منارہی ہے۔ کیا قوم کے اصل لیڈروں کا طرزِ عمل ایسا ہونا چاہیے؟

ایوب بیگ مرزا: آپ نے اصل کا لفظ استعمال کر کے یقیناً ایک فرق پیدا کیا ہے۔ اصل میں ان لوگوں پر لیڈر کے لفظ کا اطلاق نہیں ہوتا۔ یہ مسلط شدہ لوگ ہیں۔ لیڈر کا مطلب ہوتا ہے جو عوام کو راہ دکھائے۔ عوام کی خواہشات کو نہ دیکھے بلکہ جو چیزیں ملکی مفادات میں ہوں ان کا انتخاب کرے۔ جنرل راحیل شریف نے عید شمالی وزیرستان میں اگلے مورچوں پر فوجیوں کے ساتھ گزاری۔ اس سے فوجیوں میں یہ تاثر پیدا ہوا کہ ہمارا کمانڈر عید کے موقع پر ہماری طرح اپنے گھر والوں کو چھوڑ کر ہمارے ساتھ رہا۔ اس کے برعکس ہمارے سیاسی حکمرانوں کا رویہ گاؤں کے چودھری کی طرح ہے۔ انہیں عام آدمی کی زندگی سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ اندازہ کیجیے کہ سکھر میں دریائے سندھ تباہی مچا رہا ہے جبکہ صوبے کی پوری کابینہ اور پیپلز پارٹی کی لیڈر شپ دبئی میں ہے۔ کابینہ کی میٹنگ دبئی میں ہو رہی ہے۔ پنجاب میں شہباز شریف ہمیشہ بہت فعال ہونے کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اکثر سیلاب کے دنوں میں لمبے لمبے بوٹ پہن کر پانی میں گھس جاتے ہیں' لیکن اس دفعہ وہ بھی لندن میں بیٹھے ہیں۔ کہتے ہیں کہ میں وہیں سے مانیٹرنگ کر رہا ہوں۔ میاں نواز شریف کا طرزِ عمل تو شروع ہی سے ایسا ہے کہ وہ ایسے مواقع پر اکثر ملک سے باہر ہوتے ہیں۔ اگر ان کی نواسی کی شادی انہی دنوں میں اور مدینہ ہی میں کی جانی تھی تو سگا بھائی لندن میں کیوں بیٹھا ہے!

سوال: وزیراعظم پر اس حوالے سے تنقید ہوئی تو وزیر اطلاعات نے یہ جواز پیش کیا کہ نواز شریف گزشتہ 40 سال سے رمضان کا آخری عشرہ مدینہ منورہ ہی میں گزارتے ہیں؟

ایوب بیگ مرزا: مدینہ منورہ میں رمضان کا آخری عشرہ گزارنا کسی بھی مسلمان کے لیے سعادت کی بات ہے لیکن یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ آپ کی ذمہ داری کیا ہے۔ آپ 20 کروڑ افراد کے ذمہ دار ہیں۔ ملی ذمہ داری کے تحت حالات کا تقاضا تھا کہ نبی کریم ﷺ نو یں ہجری میں حج پر نہیں گئے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو امیر حج بنا کر بھیجا گیا۔ آپ ﷺ سے زیادہ کس کی خواہش ہوسکتی ہے حج کی! اگر کسی پر حکومت کی ذمہ داری ہے تو حقوق العباد کا مسئلہ پہلے آتا ہے۔ حج فرض ہے' جس نے نہ کیا ہو۔ عمرہ ایک نفلی عبادت ہے۔ میاں نواز شریف نے کئی حج اور عمرے کیے ہوں گے۔ موجودہ صورت حال میں انہیں چاہیے تھا کہ وہ اپنے ملک ہی میں رہتے۔

سوال: ہماری بدقسمتی دیکھیں کہ ہم گرمیوں میں دم گھٹنے سے مرتے ہیں' سردیوں میں ٹھٹھر کر مرتے ہیں اور برسات میں ڈوب کر مرتے ہیں۔ کیا بہتر انتظامات کر کے یہ نقصان کم نہیں کیا جاسکتا؟

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: یہ سوال پچھلے سوال کے ساتھ منسلک ہے۔ بیگ صاحب نے کہا کہ ہمارے حکمران چودھری ہیں۔ چودھری بھی اپنے گاؤں کے حالات سے اتنا detach نہیں ہوتا جتنا ملکی حالات سے موجودہ سیاسی قیادت ہے۔ ہمارے عوام بے وقوف نہیں ہیں۔ لوگوں پر واضح ہو چکا ہے کہ یہ لوگ اپنے کاروباری مفادات کی حفاظت کے لیے سیاست میں آتے ہیں۔ عوام سے' ملکی مفادات سے اس کا قطعاً کوئی تعلق نہیں ہے۔ جب بھی الیکشن قریب آتے ہیں' وہ تھوڑے بہت کام شروع کر دیتے ہیں تاکہ عوام انہیں نجات دہندہ سمجھیں اور وہ دوبارہ کچھ سیٹیں لے جائیں۔ اس کے بعد وہ ڈرائنگ روم پولیٹکس کے ذریعے اقتدار میں آ جاتے ہیں۔ اس کام میں وہ مہارت حاصل کر چکے ہیں۔ میری نظر میں' قبائلی معاشرہ ہماری موجودہ جمہوریت سے بہت بہتر تھا۔ وہاں کا سردار عوام کے دکھ درد میں ہر وقت ان کے ساتھ ہوتا تھا۔ ابھی ہماری فوجی قیادت کا ذکر ہوا جس نے جوانوں کے ساتھ عید گزاری۔ پاکستان کا صدر عہدے کے اعتبار سے ہماری افواج کا کمانڈر انچیف بھی ہے۔ پچھلے تین سال میں وہ اسلام آباد سے کتنا باہر نکلے ہیں؟ اپنے دورِ صدارت کے دوران انہوں نے کراچی کے دورے کیے ہیں' شاید اس لیے کہ وہ ان کا آبائی شہر ہے۔ امریکی صدر نے نائن الیون کے بعد افغانستان اور عراق میں اپنے فوجیوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے سال میں ایک آدھ دفعہ ضرور ان ممالک کا دورہ کیا۔

آپ قدرتی آفات کی بات کر رہے ہیں۔ ہمارے ہاں ہر سال مون سون کے سیزن میں بارشیں ہوتی ہیں۔ اس کے بعد ندی نالوں میں طغیانی' دریاؤں میں سیلاب اور پہاڑوں پر لینڈ سلائیڈنگ کے حالات ہو جاتے ہیں۔ اس دفعہ چترال اور سکردو میں کافی نقصان ہو گیا ہے۔ اس حوالے سے آرمی چیف کا بیان ہے کہ وہاں ریلیف آپریشن شروع کیا گیا۔ ہیلی کاپٹر سے مدد پہنچائی گئی۔ خیبر پختون خوا میں عمران خان کی حکومت ہے' وہ مرکز پر تنقید کرتے رہتے ہیں لیکن ان کی اپنی صوبائی حکومت نے بھی سیلاب سے نمٹنے کے لیے کوئی تیاری نہیں کی۔ اگر چترال میں 35 پل بہہ گئے ہیں تو وہاں کمیونیکشن کا کیا حال ہوگا!

> ہماری سیاسی قیادت عوام کی رہنمائی کے قابل نہیں۔ ان کا رویہ گاؤں کے کسی چودھری سے بھی گیا گزرا ہے!

ایوب بیگ مرزا: 2010ء میں فلڈ کمیشن قائم ہوا تھا' اور انہوں نے بڑی تحقیق کے بعد ایک رپورٹ دی تھی۔ اگر اس پر عمل درآمد کر لیا جاتا تو چاہے اس سے بڑا سیلاب آ جاتا' اتنا نقصان نہ ہوتا۔ ہمارے ہاں کمیشن بنتے ہیں'

رپورٹیں بنتی ہیں اور پھر وہ فائلوں میں دب جاتی ہیں۔

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: پانی کے حوالے سے یہ پرابلم آ رہی ہے کہ جب اس کی بہتات ہوتی ہے تو ہمارے لیے عذاب بن جاتا ہے' اگر پانی نہ ہو تو ہم قحط سالی کا شکار ہو

> **ایک آئینی ادارے کے خلاف تقریر کرنے پر الطاف حسین کے خلاف مقدمہ عوام کے بجائے ریاست کو دائر کرنا چاہیے**

جاتے ہیں۔ اگر بڑے ڈیم بنائے جاتے تو بجلی آج 18 روپے سے کہیں سستی ہوتی۔ سیلاب آنے پر ڈیم پانی سٹور کر سکتے ہیں' جسے بعد میں آب پاشی کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔

سوال: الطاف حسین پر افواج پاکستان کے خلاف تقریر کی وجہ سے 150 سے زائد مقدمات درج ہوئے ہیں۔ عید سے ایک دن قبل نائن زیرو پر دوبارہ چھاپہ مارا گیا۔ اس نئی ڈویلپمنٹ پر آپ کا کیا تاثر ہے؟

ایوب بیگ مرزا: الطاف حسین کی تقریر کے حوالے سے عوامی سطح پر مقدمات دائر کرنے کی کیا تک ہے۔ اگر کوئی قوت یہ عوام سے کروا رہی ہے' یا عوام اپنے طور پر یہ کر رہے ہیں تو غلط کر رہے ہیں۔ یہ تو ریاست کا کام ہے۔ الطاف حسین نے ریاست کے ایک اہم دفاعی ادارے پر حملہ کیا ہے۔ اس پر ریاست کو قدم اُٹھانا چاہیے تھا۔

سوال: یہ عوامی ناپسندیدگی کا اظہار ہے کہ ہماری حکومت برطانیہ کو بتائے کہ اس تقریر پر ہمارے ہاں اتنے مقدمات درج ہوئے ہیں۔

ایوب بیگ مرزا: اگر آپ کے پاس مضبوط سہارا ہے تو آپ چھوٹے چھوٹے تنکوں کا سہارا کیوں لیتے ہیں؟ ریاست کے ایک ادارے کے خلاف تقریر' جس کا آڈیو اور ویڈیو ریکارڈ موجود ہے' اس کو ثابت کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔ اس کے باوجود اگر آپ شہریوں کو کہتے ہیں کہ اس کے خلاف مقدمات فائل کیے جائیں یہ اسٹیبلشمنٹ کی طرف سے کوئی اچھا رویہ نہیں ہے۔ ہونا یہ چاہیے تھا کہ حکومت پاکستان ایک مقدمہ الطاف حسین کے خلاف دائر کرتی اور پھر انٹرپول کے ساتھ رابطہ کرتی۔ کم از کم برطانوی حکومت سے یہ تو کہا جا سکتا ہے کہ یہ کیسی فریڈم آف سپیچ ہے کہ آپ برطانیہ سے پاکستان میں انتشار پھیلانے کی اجازت دے رہے ہیں۔ اگر پاکستان میں کی گئیں ایسی تقاریر برطانیہ میں نشر کی جائیں جن میں عیسائیت' برطانوی حکومت' ملکہ یا برطانوی نظام کے خلاف لوگوں کو بھڑکایا جائے تو کیا برطانیہ اس کو برداشت کرے گا؟ دراصل یہ ہماری حکومت کی کمزوری ہے۔ اب شاید کوئی پابندی لگی ہے کہ الطاف حسین کا کوئی خطاب براہِ راست نہیں ہوتا۔ وزیر داخلہ جرم کی نشاندہی کرتے ہیں کہ الطاف حسین اب تمام حدود عبور کر رہا ہے' اب الطاف حسین نے انتہا کر دی ہے لیکن مقدمہ کوئی نہیں۔ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی جرم کرتا ہے اور پولیس صرف یہ کہہ دیتی ہے کہ اس نے بہت غلط کام کیا ہے لیکن اس کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرتی!

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: حکومت اپنے سیاسی مفادات کے لیے کمزوری کا مظاہرہ کر رہی ہے۔ کوئی ریڈ لائن ڈرا کرنی پڑے گی' خاص طور پر جب ایک آئینی ادارے پر حملہ کیا جا رہا ہو! اس کے خلاف ایکشن لینا بہت ضروری ہے۔

سوال: ایم کیو ایم کی طرف سے یہ کہا جا رہا ہے کہ کراچی آپریشن صرف اور صرف انہیں ٹارگٹ کرنے کے لیے کیا جا رہا ہے۔ یہ تاثر کس حد تک درست ہے؟

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: یہ بات تو غلط ثابت ہو چکی کہ کراچی آپریشن ایک جماعت کے خلاف کیا جا رہا ہے۔ نیشنل ایکشن پلان کے تحت جب کام شروع ہوا تو کسی ایک جماعت کے خلاف تو نہیں تھا۔ کراچی میں کئی لوگوں کو گرفتار کیا گیا۔ یہ بات کھلتی چلی گئی کہ کہاں کہاں سے فنڈنگ ہو رہی ہے۔ اس طرح آپریشن کا دائرہ وسیع ہوتا چلا گیا۔ اگر ایک طرف نائن زیرو پر چھاپہ مارا گیا تو دوسری طرف سنی تحریک کے مرکزی دفتر پر بھی چھاپہ مارا گیا اور وہاں سے بھی لوگ پکڑے گئے۔ کے ڈی اے پر چھاپہ مارا گیا کہ یہاں سے دہشت گردوں کو فنڈنگ ہو رہی ہے۔ یہ درحقیقت PPP پر چھاپہ تھا' انہیں نشانہ بنایا گیا۔ لہٰذا ایم کیو ایم کا بیان محض پوائنٹ سکورنگ کے لیے ہے۔ ظاہر ہے کہ جہاں غلط عناصر کا زور ہو گا' ان کو chase تو کیا جائے گا۔ کراچی تو ہمارا سب سے بڑا معاشی حب ہے۔ اگر کراچی میں امن قائم نہ ہو تو پورے ملک کے کاروبار اور صنعت پر برا اثر پڑتا ہے۔ امن وامان قائم ہونے کے نتیجے میں اس عید پر ریکارڈ تعداد میں لوگ گھروں سے نکلے ہیں۔ انہوں نے خریداری بھی کی ہے اور عید منائی ہے اور فطرانے کے نام پر زبردستی پیسے وصول کرنے کی وارداتیں بھی بہت کم ہوئی ہیں۔

ایوب بیگ مرزا: اس حوالے سے دو باتیں اہم ہیں۔ ایک تو یہ کہ ایم کیو ایم کے سارے مطالبات یا تحفظات غلط نہیں ہیں۔ لہٰذا ہماری سول حکومت کو چاہیے کہ وہ جائز تحفظات کو دور کرنے کی کوشش کرے۔ اگر ایسا نہ کیا گیا تو اس آپریشن کے منفی اثرات ہوں گے۔

دوسرے یہ کہ اگر اس آپریشن کے ساتھ کراچی کے عوام کو ریلیف نہ پہنچایا گیا تو عوامی تاثر منفی ہو جائے گا۔ اس سے پہلے بھی کراچی میں پانی کا اتنا بڑا بحران نہیں تھا' اب ہے۔ اس سے پہلے بجلی کا بحران نہیں تھا' اب ہے۔ یہ معاملات درست نہیں ہیں۔ اگر کراچی کے عوام کو ریلیف نہ پہنچایا گیا تو اس کا فائدہ سیاسی سطح پر ایم کیو ایم کو پہنچے گا۔

سوال: بھارت مذاکرات کے ذریعے پاکستان کے ساتھ تعلقات بہتر بنانے کے دعوے تو بہت کرتا ہے لیکن بارڈر پر عید کے موقع پر بھی اشتعال انگیزی سے باز نہیں آتا؟

ایوب بیگ مرزا: نریندر مودی کی حکومت کے بارے میں میری یہ رائے تھی جواب بدل رہی ہے، کہ یہ پاکستان کے کھلے دشمن ہیں۔ مسلمانوں اور اسلام کے بارے میں یہ اپنی نفرت چھپاتے نہیں۔ لیکن اب میں دیکھتا ہوں کہ نریندر مودی نے بھی منافقت کا معاملہ اختیار کرنا شروع کر دیا

> **ایم کیو ایم کے جائز تحفظات کو دور اور کراچی کے عوام کو ریلیف نہ دیا گیا تو آپریشن کے منفی اثرات مرتب ہوں گے**

ہے۔ حملے بھی کیے جاتے ہیں اور مٹھائیاں بھی بھیجی جاتی ہیں۔ روس میں مذاکرات بھارت کی خواہش پر ہوئے ہیں۔ وہاں جو کچھ ہوا، ہماری نااہلی اور نالائقی کی وجہ سے ہوا۔ سفارتی سطح پر isolation کے بعد ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی راستہ نہیں تھا کہ وہ فیس سیونگ کے لیے پاکستان کو مذاکرات کی دعوت دیں۔ اصل چہرہ تو اس کا سامنے آنا ہی تھا۔ انہوں نے دیکھا کہ مذاکرات کے معاملے میں ہم نواز شریف کو چاروں شانے چت کر چکے ہیں لیکن پاکستان کے عوام، میڈیا اور اسٹیبلشمنٹ کسی صورت چت ہونے کے لیے تیار نہیں۔ لہٰذا انہوں نے پھر بارڈر پر ڈرانے اور دھمکانے کا سلسلہ شروع کیا ہے۔ بھارتی جنرل

کا بیان آیا ہے کہ ہم پاکستان کو غیر متوقع نقصان پہنچائیں گے۔ خدا جانے یہ غیر متوقع نقصان کیا ہوگا! ہمیں بھارت سے ہر وقت صرف اور صرف نقصان کی توقع کرنی چاہیے اور اسی حوالے سے اپنی پالیسیاں ترتیب دینی چاہئیں۔

سوال: یو این او کے فوجی مبصرین نے سیالکوٹ کی ورکنگ باؤنڈری کا دورہ کیا ہے۔ ان کی رپورٹ جب یو این او میں جائے گی تو کیا یو این او بھارت کو پاکستان کے خلاف اشتعال انگیزی سے روک سکے گا؟

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: پاکستان بننے کے بعد کشمیر میں جو ایکشن ہوا تھا، جس میں ہم نے کشمیر کا کچھ حصہ آزاد کرایا تھا، اس کے بعد نہرو یو این او میں گیا۔ یہ فوجی مبصرین اس وقت سے یہاں موجود ہیں۔ اس کے بعد 1965ء کی جنگ ہو چکی ہے، 1971ء کا سانحہ ہوا جبکہ کشمیر میں گرما گرمی ہوتی رہتی ہے۔ یہ مبصرین سیالکوٹ باؤنڈری پر گئے اور وہاں گھروں کا جائزہ لیا۔ کیا ایسا کوئی گروپ بھارت کی طرف بھی گیا اور رپورٹ تیار کی؟ بھارت نے 1965ء کے بعد انہیں بالکل نظر انداز کیا ہوا ہے۔ وہاں انہیں کوئی سہولتیں فراہم نہیں ہیں۔ کوئی باقاعدہ آفس اور سنٹر نہیں ہے۔ جب بھارت کی طرف سے کوئی اشتعال انگیزی ہوتی ہے تو پاکستان ایک رپورٹ درج کراتا ہے۔ مبصرین جا کر جائزہ لیتے ہیں اور اپنی رپورٹ بھیج دیتے ہیں۔ یہ سب ونڈو ڈریسنگ ہے۔ اس کی کوئی actual حیثیت نہیں۔

سوال: بھارتی میڈیا کے ذریعے خبر آ رہی ہے کہ پیس ٹی وی پر پابندی لگائی جا رہی ہے۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک کی دوسری سرگرمیوں کو بھی بین کیا جائے گا؟

ایوب بیگ مرزا: بھارت کا سیکولرازم کا چہرہ بے نقاب ہوا ہے، بلکہ سیاہ ہوا ہے۔ یہ سیاہ چہرہ ڈاکٹر ذاکر نائیک نے اسے دکھایا ہے، جس پر وہ تڑپ اٹھے ہیں۔ بھارت کا یہ کہنا کہ ہم سیکولر ہیں اور کسی بھی مذہب کا ہماری ریاست سے تعلق نہیں ہے، بنیادی طور پر جھوٹ ہے۔ بھارت بنیادی طور پر ایک ہندو ریاست ہے۔ وہاں مسلمانوں کے خلاف کیا کچھ نہیں ہوا۔ بابری مسجد گرائی گئی، نبی اکرم ﷺ کی توہین کی گئی لیکن کسی ہندو اخبار، چینل پر پابندی نہیں لگی۔ ڈاکٹر ذاکر نائیک بڑے پُرامن انداز میں اسلام کی تعلیمات پیش کرتے ہیں۔ وہ کوشش کرتے ہیں کہ غیر سیاسی رہیں۔ اگر آپ اسلام پر حملہ کریں گے تو اس کا جواب تو دیا جائے گا۔ یہ دراصل حق کی آوازیں بند کرنے کی کوششیں ہیں۔ اس کا بھارت کو نقصان جبکہ مسلمانوں اور اسلام کو فائدہ پہنچے گا۔ لوگ زیادہ جاننے کی کوشش کریں گے۔ کیونکہ آج کے دور میں مکمل پابندیاں لگانا ممکن بھی نہیں ہے

> **بھارت کے نزدیک اقوام متحدہ کے فوجی مبصرین کی کوئی اہمیت اور حیثیت نہیں ہے**

ڈاکٹر غلام مرتضیٰ: جب گجرات کے فسادات کی رپورٹ آئی تھی تو اس میں وہاں کی مقامی لیڈر شپ کو ہی موردالزام ٹھہرایا گیا تھا۔ اسی رپورٹ کے حوالے سے ڈاکٹر ذاکر نائیک نے اور بھی بہت سے واقعات کا ذکر کیا کہ یہ دنیا میں مسلمانوں کے خلاف ایک گہری سازش تھی۔ ان چیزوں سے بچا جا سکتا تھا لیکن سیاسی قیادت نے ان واقعات سے فائدہ اٹھایا اور مسلمانوں کے خلاف مہم جوئی کی۔ اس تقریر میں انہوں نے مودی کا نام تو نہیں لیا، صرف سیاسی قیادت کہا ہے۔ چونکہ مودی ہی وزیر اعلیٰ تھا، لہٰذا وہ اس تقریر پر تلملایا ہے۔ بھارتی حکومت کوشش کر رہی ہے کہ کسی طرح اس آواز کو خاموش کیا جائے۔ چینل پر تو پابندی نہیں لگ سکتی، کیونکہ وہ ایک satellite-based چینل ہے اور دبئی سے لانچ ہو رہا ہے۔ البتہ پابندی لگانے کی کوشش کریں گے۔ انٹرنیٹ کے ذریعے بہر حال وہ ہر جگہ دیکھا جا سکتا ہے۔

اس پروگرام کی ویڈیو www.tanzeem.org پر ''خلافت فورم'' کے عنوان سے دیکھی جا سکتی ہے۔

داخلے جاری ہیں

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام

(پارٹ I اور II)

رجوع الی القرآن کورسز

یہ کورسز بنیادی طور پر تعلیم یافتہ افراد کے لیے ترتیب دیے گئے ہیں' تاکہ وہ حضرات جو کم از کم انٹرمیڈیٹ کی سطح تک اپنی دنیاوی تعلیم مکمل کر چکے ہوں اور اب بنیادی دینی تعلیم بالخصوص عربی زبان سیکھ کر فہم قرآن کے حصول کے خواہش مند ہوں' ان کورسز کے ذریعے ان کو ایک ٹھوس بنیاد فراہم کر دی جائے۔ ہفتے میں پانچ دن روزانہ صبح کے اوقات میں تقریباً پانچ گھنٹے تدریس ہوگی۔ ہفتہ وار تعطیل ہفتہ اور اتوار کو ہوگی۔

نصاب (پارٹ I)

1. عربی صرف ونحو
2. ترجمۂ قرآن
3. آیاتِ قرآنی کی صرفی ونحوی تحلیل
4. قرآن حکیم کی فکری وعملی راہنمائی
5. تجوید وناظرہ
6. مطالعۂ حدیث وفقہ العبادات
7. اصطلاحاتِ حدیث
8. اضافی محاضرات

نصاب (پارٹ II)

1. مکمل ترجمۃ القرآن (مع تفسیری توضیحات)
2. مجموعۂ حدیث
3. فقہ
4. اصولِ تفسیر
5. اصولِ حدیث
6. اصولِ فقہ
7. عقیدہ
8. عربی زبان وادب
9. اضافی محاضرات

- اس سال کلاسز کا آغاز 10 اگست سے ہوگا
- داخلہ کے خواہشمند خواتین وحضرات 10 اگست کو صبح 8:30 بجے انٹرویو کے لیے قرآن اکیڈمی تشریف لائیں
- پارٹ II میں خواتین کی شرکت کا انتظام نہیں ہے

نوٹ: پارٹ I میں داخلے کے لیے انٹرمیڈیٹ پاس ہونا اور پارٹ II میں داخلے کے لیے رجوع الی القرآن کورس (پارٹ I) پاس کرنا لازمی ہے

برائے رابطہ: **قرآن اکیڈمی**
36-K ماڈل ٹاؤن لاہور
فون: 3-35869501
email:irts@tanzeem.org
ندیم سہیل
0322-4371473

وطن عزیز کی فضا انس و محبت کی خوشبو سے خالی

فرید اللہ مروت

کسی قوم کی ترقی کا انحصار وحدت پر ہوتا ہے۔ یہ وحدت ختم ہو جائے تو قوم تنکوں کی طرح ٹوٹتی اور بکھرتی نظر آئے گی۔ ہمارے پاس اتحاد کا ایک ایسا بہترین ذریعہ موجود ہے جو دنیا کی کسی اور قوم کے پاس نہیں ہے۔ اور وہ ہے قرآن۔ مگر افسوس کہ ہم آج مختلف فرقوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ زندگی کا ہر شعبہ دھڑے بندی کا شکار ہے جس سے وطن عزیز کی بنیادیں متزلزل ہو رہی ہیں۔ دشمن ہماری ان ہی کمزوریوں سے فائدہ اٹھا رہے ہیں اور ہم ان کے جال میں پھنستے جا رہے ہیں۔

المیہ یہ ہے کہ ہم لوگ ماضی سے کوئی سبق حاصل نہیں کرتے اور ہم نے مٹنے والی امتوں کی تمام خرابیوں کو خوبیاں سمجھ کر اپنا لیا ہے۔ شیطان اپنے شیطانی حربوں کو ہمارے سامنے خوشنما بنا کر پیش کر رہا ہے اور ہم اس کا شکار ہو رہے ہیں۔

آج ہم نے زمین کے ٹکڑے کو اہم سمجھ لیا ہے اور نظریے کی آفاقیت اور وحدت کو نظر انداز کر دیا ہے جو ہمارے زوال کا ایک بڑا سبب ہے۔ ہم ذات پات کی محدود دنیا سے باہر نہیں نکلتے۔ ہر علاقہ خود کو ایک الگ ملک سمجھ رہا ہے۔ دشمن اس سوچ کو پروان چڑھا رہا ہے اور روز بروز وطن عزیز کی فضا انس و محبت کی خوشبو سے خالی ہوتی جا رہی ہے اور یوں لگتا ہے کہ پورا گلستان تعصبات کے شعلوں کی لپیٹ میں ہے۔ اختلافات کا بازار گرم ہے۔ ایک مسلک کا عالم دین وفات پا جائے تو دوسرے مسلک کا عالم دین اس کے جنازہ میں شرکت نہیں کرتا۔ اختلافات کی خلیج اس قدر بڑھ چکی ہے کہ موت کے دروازے پر بھی ختم نہیں ہوتی۔

لڑتے ہیں اختلاف عقائد پر لوگ کیوں؟
یہ تو ہے معاملہ دل کا خدا کے ساتھ

اسلام تو رواداری کا دین ہے۔ اس میں تو پتھر کھا کر دعائیں دی جاتی ہیں مگر آج یہی مقدس دین کلاشنکوفوں کے سائے میں دم توڑ رہا ہے۔ ہم اس کی نوازشوں سے متحد اور یکجا ہونے کے بجائے انتشار کا شکار ہیں اور پوری دنیا ہماری حالت زار پر ہنس رہی ہے، مگر صرف ہم ہیں کہ ہمیں اپنے اوپر رونا نہیں آتا۔

ہم دینی طور پر بے یقینی اور سیاسی طور پر بے چارگی کا شکار ہیں۔ ہمارا قومی تشخص دھندلا گیا ہے۔ نظریاتی فکر مادیت کا شکار ہے۔ ہمارا ملی وجود ڈگمگا رہا ہے۔ صفیں کج، دل پریشان اور سجدے بے ذوق ہیں۔ بیرون ملک ہم لوگ بے اعتبار ہو کر رہ گئے ہیں۔ نہ ہمیں خود پر اعتماد ہے نہ کسی کو ہم پر اعتماد۔ پورا ملک ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہے اور ہم ایک دوسرے کی جان کے دشمن۔

اہل ہوس میں گرم ہے پھر جنگ اقتدار
شعلوں کی زد میں سارا گلستان ہے دوستو

قبائلی علاقوں میں خونِ انسانی کو پانی سے ارزاں کر رکھا ہے، معصوم مسکراہٹوں کو زندگی کے لبوں سے نوچ لیا ہے۔ اب وہاں کے حالات میں کچھ بہتری آئی ہے لیکن کراچی میں زندگی خطرات کی زد میں ہے۔ چاروں طرف بندوقیں تنی ہوئی ہیں، انسانیت دم توڑ رہی ہے اور بہاروں نے ادھر کا رخ کرنا چھوڑ دیا ہے۔

یہ حکم ہے کہ اس کے لبوں کو رفو کرو
جو اس دیار درد میں ہنستا دکھائی دے

قرآن پاک نے تو ہمیں کئی صدیاں پہلے خبردار کیا کہ ”کہہ کہ وہ (اس پر بھی) قدرت رکھتا ہے کہ تم پر اوپر کی طرف سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے عذاب بھیجے یا تمہیں فرقہ فرقہ کر دے اور ایک کو دوسرے (سے لڑا کر آپس) کی لڑائی کا مزہ چکھا دے۔ دیکھو ہم اپنی آیتوں کو کس کس طرح بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ سمجھیں۔“ (الانعام:65)

ہماری مذہبی، لسانی اور سیاسی خوں ریزیاں بتا رہی ہیں کہ ہم آپس میں دست و گریبان ہیں اور اس عذاب سے اپنے بچاؤ کی کوئی فکر نہیں کر رہے بلکہ علاقائی، صوبائی اور قومی سطح پر شدید آویزش کا شکار ہیں۔ اتفاق، اتحاد اور محبت و اخوت کا ہمارے ہاں قحط ہے۔

مٹی کے گھروندے ڈھا ڈھا کر ایوان بنائے جاتے ہیں
انسان کے ظالم ہاتھوں سے انسان مٹائے جاتے ہیں

اختلافات زندگی کا حصہ ہیں۔ اگر دلوں میں خلوص و محبت ہو تو اختلافات خود بخود ختم ہو جاتے ہیں مگر جب دلوں میں نفرت ہو تو اختلافات تشدد اور دہشت کا پیش خیمہ بن جاتے ہیں۔ بات چیت کے بجائے ہم دوسروں پر بذریعہ گالی اور گولی فیصلہ ٹھونسنا چاہتے ہیں۔

اسلام ایک مقدس دستور زندگی ہے۔ یہ انسان میں بردباری، تحمل اور عفو و درگزر کا جذبہ پیدا کرتا ہے۔ رسول پاک ﷺ نے مختلف نسلوں، قوموں، لباسوں اور زبانوں کو ایک رشتہ میں پرو دیا تھا۔ ایک مرکز کے ساتھ رشتے کو قائم کر دیا تھا اور بار بار یہ فرمایا تھا کہ کالے کو گورے پر اور گورے کو کالے پر کوئی امتیاز نہیں، اللہ کے نزدیک اگر کسی بات کی اہمیت ہے تو وہ پرہیزگاری ہے۔ ذات پات اور قبیلے صرف پہچان کے لیے ہیں۔ بقول اقبال۔

ہوس نے کر دیا ہے ٹکڑے ٹکڑے نوع انساں کو
اخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا
غبار آلودۂ رنگ و نسب ہیں بال و پر ترے
تو اے مرغ حرم! اڑنے سے پہلے پرفشاں ہو جا

اسلام نے ہمیں اخوت و محبت کے ایک دائمی رشتے میں پرو دیا ہے۔ اسلام کے جھنڈے تلے جب مختلف علاقوں، زبانوں، نسلوں اور مختلف مذہبی نظریات والے لوگ جمع ہو گئے تو ایک ہو گئے۔ اس کی یکتائی اور یک جہتی نے انہیں ایک ایسا جسم عطا کیا کہ ان سے قدم قدم پر سرفروشی اور جاں نثاری کا اظہار ہوتا تھا اور وقت کی بڑی بڑی حکومتیں ان کے قدموں کے نیچے تھیں۔

مٹایا قیصر و کسریٰ کے استبداد کو جس نے
وہ کیا تھا، زور حیدرؓ، فقر بوذرؓ، صدق سلمانیؓ

ماضی میں ہم نے اختلافات کو پاؤں تلے روندا تو ہم دنیا پر چھا گئے۔ آج بھی ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلام کی رسی کو مضبوطی سے پکڑ لیا جائے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگی جائے۔ گڑگڑا کر اس کی رحمت طلب کی جائے۔ اور بقول اقبال۔

بتانِ رنگ و خوں کو توڑ کر ملت میں گم ہو جا
نہ تورانی رہے باقی، نہ ایرانی، نہ افغانی

☆☆☆☆☆

ایک اور جوڈیشل کمیشن!

اوریا مقبول جان
theharferaz@yahoo.com

انگریز سے ورثے میں ملے ہوئے پاکستان کے اینگلوسیکسن عدالتی نظام کی بدقسمتی یہ ہے کہ پورے ملک، صوبے، شہر، قصبے یا گاؤں میں جرم اور مجرم دونوں کی اس قدر واضح پہچان موجود ہوتی ہے۔ بچے بچے کی زبان پر مجرم کا نام اور گلی گلی میں اس جرم کے قصے سنائی دیتے ہیں۔ لوگ مجرم کے خوف سے تھرتھر کانپ بھی رہے ہوتے ہیں۔ انھیں اس مکان، عمارت یا پناہ گاہ کا بھی ٹھیک ٹھیک پتہ ہوتا ہے جہاں سے جرم پروان چڑھتا ہے۔ لیکن لوگوں کا یہ تاثر، ان کی آنکھوں کے سامنے موجود یہ حقیقت اکثر اوقات عدالتی فیصلوں میں دکھائی نہیں دیتی۔ اکثر فیصلے اس موہوم سے فقرے پر آکر ختم ہوجاتے ہیں کہ مجرم کے خلاف صفحہ مثل پر ثبوت ناکافی ہیں یا پھر یہ کہ استغاثہ اپنا کیس ثابت کرنے میں ناکام رہا ہے۔

اس عدالتی نظام کے حامیوں اور وکیلوں سے سوال کروکہ ایسا کیوں ہوتا ہے کہ وہ شخص جسے پوری دنیا بددیانت، چور، ڈاکو، قاتل، اسمگلر، منشیات فروش، بھتہ خور یا بدمعاش کے طور پر ایک مسلّم حقیقت کے طور پر جانتی ہو بلکہ اس کے مقدمے کے فیصلے کرنے والے جج کو بھی ایمان کی حد تک یقین ہو کہ یہ شخص ایسا ہی خوفناک مجرم ہے مگر جج اسے چھوڑنے یا بری کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے، تو اس کا جواب یہ ملتا ہے کہ جج کے سامنے جو ثبوت اور جو گواہی پیش کی جائے گی وہ اسی کے مطابق فیصلہ کرے گا، اپنے ذاتی علم اور ذاتی گواہی کی بنیاد پر تو نہیں کرے گا۔ یعنی کسی تھانے کا تفتیشی آفیسر، یا کسی ادارے کا وکیل مجرم یا جرم کے بارے میں جیسا کیس پہلے دن بنا کر ایک مجسٹریٹ کی عدالت میں لائے گا، جو چالان، گواہوں کی جو فہرست، فرد جرم کی جو نوعیت آغاز میں موجود ہوگی، سپریم کورٹ تک اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔ یعنی مجرم اور استغاثہ اگر پہلے دن گٹھ جوڑ کرلیں تو اس عدالتی نظام میں انصاف کا اور کوئی راستہ باقی نہیں بچتا۔ پھر جب کوئی مجرم حکومت کی سرپرستی میں آجاتا ہے تو اس سے زیادہ خوفناک اور ہیبت ناک عفریت کوئی نہیں ہوتی۔ اس کے مقابل کھڑے ہونا، اسے مجرم کہنا، اس کے خلاف گواہ بننا یہ سب ایک خواب بن جاتا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اگر مجرم خود حکومت بن جائے، منتخب نمائندہ کہلانے لگے، اقتدار کے ایوانوں میں بسیرا کرلے تو اس کے خلاف صفحہ مثل پر ثبوت فراہم کرنا کسی کے بس میں نہیں ہوتا۔ یہی وجہ ہے کہ ایان علی سے پانچ لاکھ ڈالر برآمد کرنے والا کسٹم کا اہلکار دن دہاڑے قتل کردیا جاتا ہے اور عدالت بے بسی سے اس بات کا انتظار کرتی رہ جاتی ہے کہ چالان نہیں آیا، فرد جرم نہیں عائد ہوسکتی اور باہر جرم اور مجرم کی خوبصورت کیٹ واک میڈیا کے ہوس زدہ ماحول کو رنگین بنا رہی ہوتی ہے۔

اسی اینگلوسیکسن عدالتی نظام کا ایک روپ جوڈیشل کمیشن ہیں۔ ان کی رپورٹوں سے پاکستان کے دفاتر اور لائبریریوں کی الماریاں بھری پڑی ہیں۔ ان کمیشنوں کی ایک عجیب وغریب تاریخ ہے۔ یہ ہمیشہ اس وقت قائم کیے گئے جب عوام کی اکثریت کسی خاص مسئلے پر جذباتی سطح پر پہنچ چکی ہو، معاشرہ ایک ہیجان کا شکار ہو، لوگ مجرموں کو کیفرِ کردار تک پہنچتا دیکھنا چاہتے ہوں، حالات دن بدن قابو سے باہر اور لوگوں کا غصہ اپنے عروج پر ہو تو پاکستان کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ ایک عدالتی کمیشن قائم کردیا جاتا ہے اور پھر وہاں عدالتی نظام کی وہ ازلی ابدی بحث شروع کردی جاتی ہے، ثبوت لاؤ، صفحہ مثل پر کچھ نہیں ہے اور آخر میں کئی سو صفحات پر طویل ایک فیصلہ یا ایسی رپورٹ تحریر کردی جاتی ہے جس میں نہ جرم کا تعین ہوا اور نہ ہی مجرم کا پتہ چلے۔ بس ایک تحقیقاتی مضمون مرتب ہوجائے اور اگلے کئی سالوں کے لیے لکھنے والوں کو موضوع ملتا رہے۔

جوڈیشل کمیشن بنانے کا آغاز 1953ء میں ہوا جب یکم فروری کو پنجاب اور خصوصاً لاہور میں قادیانیوں کے خلاف تحریک کا آغاز ہوا جو دیکھتے ہی دیکھتے شہروں، قصبوں اور گلیوں محلوں میں پھیل گئی۔ تشدد اور انتظامی ناکامی نے مارشل لاء کو راہ دکھائی اور بالآخر 19 جون کو چیف جسٹس پاکستان جسٹس منیر کی سربراہی میں ایک عدالتی کمیشن بنا جس نے یکم جولائی 1953ء سے 23 جنوری 1954ء تک سماعت کی اور دس اپریل کو اس کی رپورٹ جاری کردی گئی۔ یہ واحد رپورٹ ہے جو انگریزی، اردو اور بنگالی میں شائع ہوئی اور اس قدر کثیر تعداد میں شائع ہوئی کہ آج بھی فٹ پاتھ پر موجود کباڑیوں کے پاس مل جاتی ہے۔ اس رپورٹ اور اس کمیشن کا بظاہر مقصد لوگوں کی توجہ اصل معاملے سے ہٹا کر انھیں اسلام اور تصور پاکستان کے بارے میں مشکوک کرنا تھا۔ مدتوں اس رپورٹ کو ایک ہتھیار کے طور پر استعمال کیا جاتا رہا، صرف یہ ثابت کرنے کے لیے کہ پاکستان تو ایک سیکولر بنیادوں پر تیار ہوا ملک تھا اور قائداعظم کا تصور بھی ایسا تھا۔ لوگ کمیشن سے یہ توقع نہیں رکھتے تھے کہ وہ اس سطح پر اپنی رپورٹ میں مبالغہ شامل کریں گے اور دانستہ طور پر مواد کو اپنے حق میں بدلیں گے، لیکن بھلا ہو سلینہ کریم کا کہ وہ برطانوی آرکائیوز میں موجود قائداعظم کے مغربی پریس کو دیے گئے انٹرویو کے اصل متن تک جا پہنچی تو حیران رہ گئی کہ کوئی اعلیٰ سطح کا عدالتی کمیشن بھی قائداعظم کے انٹرویو کی عبارت کو توڑ مروڑ نہیں بلکہ بدل کر اپنی رپورٹ میں شامل کرسکتا ہے تاکہ ثابت ہوسکے کہ قائداعظم ایک سیکولر پاکستان چاہتے تھے۔ اس کی یہ تحقیق Secular Jinnah and Pakistan: What Nation don't know کے نام سے چھپ چکی ہے اور پاکستان کے اس پہلے جوڈیشل کمیشن کا جھوٹ اور فریب واضح ہوچکا ہے، لیکن دکھ کی بات یہ کہ اسے ظاہر ہونے میں 50 سال لگ گئے۔ اتنی دیر تک لوگ منیر رپورٹ پر سچ کی حد تک یقین کرتے رہے۔

اس کے بعد 1971ء کا سانحہ ہوا، ملک دولخت ہوگیا۔ پورا ملک رنجیدہ اور غمزدہ تھا۔ عوام دھڑوں میں تقسیم تھے۔ ایک حصہ سمجھتا تھا کہ ملک فوجی قیادت کی نااہلی کی وجہ سے ٹوٹا، جب کہ دوسرا سیاسی قیادت کو بھی برابر کا ذمہ دار ٹھہراتا تھا۔ اس بحث کے طوفان میں جوڈیشل کمیشن ہی واحد راستہ تھا۔ حمود الرحمٰن کمیشن بنا لیکن چونکہ کمیشن کا مقصد صرف وقتی ابال کو ٹھنڈا کرنا تھا، اس لیے اس کمیشن کی رپورٹ کو سرد خانے میں ڈال دیا گیا جو تیس سال بعد برآمد ہوئی تو وہی تاریخی حقائق کی بحث، محرومیوں کے رونے، نہ جرم کی نوعیت کا اتہ پتہ اور نہ مجرم کی واضح نشاندہی۔

اس کے بعد یہ دستور چل نکلا کہ جب بھی عوامی غیظ وغضب کو ٹھنڈا کرنا ہو، کسی واضح حقیقت اور جرم کو شک کی قبا پہنانا ہو تو جوڈیشل کمیشن بنا دو۔ مرضی کے مطابق ہو تو رپورٹ جاری کر دو ورنہ سرد خانے تو سجتے ہی ایسی رپورٹوں سے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے سانحات سے لے کر اسامہ بن لادن تک عدالتوں کے ججوں نے لاتعداد رپورٹیں جمع کروائیں۔ اس ملک کے انتظامی ڈھانچے اور عدالتی نظام کو درست کرنے کے لیے بھی کمیشن بنے، ان کی موٹی موٹی رپورٹیں آج بھی الماریوں میں مل جائیں گی۔ کارنیلس رپورٹ بہت مشہور ہے لیکن وہی تاریخی دستاویز، وہی گول مول جوابات، آفیسر اچھے کیوں نہیں آتے کیونکہ مراعات بہت کم ہیں، مراعات کم کیوں ہیں کیونکہ آفیسر اچھے نہیں آرہے۔

اخباروں کے مضامین اور یونیورسٹیوں میں جمع کرائے جانے والے تحقیقی مقالوں کی طرح لکھی جانے والی جوڈیشل کمیشنوں کی ان رپورٹوں کے بعد حکومتیں اور مقتدر قوتیں مطمئن ہو جاتی ہیں کہ ہم نے طوفان کا راستہ روک دیا ہے۔ ہم نے غبارے میں سے ہوا نکال دی ہے۔ لیکن انھیں اس بات کا اندازہ تک نہیں ہوتا کہ جب تک جرم اور مجرم ایک حقیقت کی طرح موجود رہیں گے، غبارے میں ہوا بھرتی رہتی ہے۔ جسٹس منیر نے 1954ء میں لوگوں کو مسلمان کی تعریف اور نظریہ پاکستان کے تصور میں الجھا کر یہ سمجھ لیا تھا کہ طوفان ختم ہو گیا لیکن ٹھیک بیس سال بعد 1974ء میں وہ طوفان پاکستان کی اسمبلی تک جا پہنچا اور جو تعریف جسٹس منیر نہ کر سکا تھا اسے اسمبلی کے ارکان نے کر دکھایا۔ جو ثبوت عدالتی کمیشن کے سامنے نہ آسکا وہ ایک گونجتے ہوئے سچ کی طرح اسمبلی کی راہداریوں میں نظر آ گیا۔

پاکستان کی تاریخ کا ایک اور جوڈیشل کمیشن ایک رپورٹ مرتب کر کے ابھی ابھی رخصت ہو گیا اور اپنی رخصتی سے پہلے یہ تحریر کر گیا کہ ہم تک جو ثبوت پہنچے ہم نے ان کے مطابق فیصلہ کیا۔ لیکن گوادر سے گلگت تک ہر آنکھ گواہ ہے کہ کیسے قصبوں، دیہاتوں اور گوٹھوں پر قابض بندوق بردار، خاندانی اثر و رسوخ اور جرم کے بادشاہ لوگوں کو ہانکتے ہوئے پولنگ اسٹیشنوں تک لاتے ہیں۔ کس طرح معمولی استاد جو پریذائیڈنگ آفیسر ہوتا ہے، وہ خوف کے سائے میں ہوتا ہے۔ کیسے بیورو کریسی آیندہ مستقبل کے لیے اپنے منظور نظر سیاستدانوں کے الیکشن کی راہ ہموار کرتی ہے۔ سرمایہ کیا کرشمے دکھاتا ہے۔ کیسے الیکشن مکمل ہونے کے بعد ایک اجتماعی جھوٹ بولا جاتا ہے۔ ہر جیتنے والا حلفاً کہتا ہے کہ اس نے صرف چند لاکھ روپے خرچ کیے۔

لوگ سب جانتے ہیں اور حقیقت ان کے سامنے روز روشن کی طرح واضح ہے لیکن جیسے نامی گرامی چور، ڈاکو، بھتہ خور، دہشت گرد اور اسمگلر عدالت سے عدم ثبوت کی بنیاد پر باعزت بری ہو کر باہر نکلتا ہے ویسے ہی ہماری جمہوریت بھی آج باعزت طور پر بری ہو گئی۔ طوفان تھم چکا ہے۔ لیکن طوفان تھما نہیں کرتے، ایک ایسے خول میں بند ہو جاتے ہیں جہاں ان کی چاپ تک سنائی نہیں دیتی اور پھر وہ ایک دن دھماکے سے خول توڑ کر باہر نکل آتے ہیں، جیسے جسٹس منیر کے عدالتی کمیشن کی رپورٹ دھری کی دھری رہ گئی تھی اور لوگوں نے 1974ء میں خود فیصلہ نافذ کروا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

ضرورت رشتہ

☆بیٹی، عمر 30 سال، تعلیم فزکس (ایم ایف ڈی)، پنجاب کالج لاہور میں جاب، خوب سیرت وخوبصورت، شادی کے ڈیڑھ سال بعد بیوہ، ساتھ دو جڑواں بچے (بیٹا، بیٹی۔ عمر پانچ سال) کے لیے مناسب رشتہ درکار ہے۔ والدین رابطہ کریں۔ 0323-7505665

☆ڈیفنس لاہور میں مقیم مغل فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 20 سال، دراز قامت، آرکیٹیک ڈیزائننگ میں زیر تعلیم، کے لیے دینی رجحان کے حامل کاروباری گھرانے سے برسر روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔
برائے رابطہ: 0322-4477151

☆لاہور میں رہائش پذیر شیخ فیملی کو اپنی کنواری بیٹی، عمر 31 سال، تعلیم M.A پولیٹیکل سائنس، بی ایڈ کے لیے دینی مزاج کے حامل برسر روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔
برائے رابطہ: 0322-8013612

مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور کے زیر اہتمام

بانی: ڈاکٹر اسرار احمد رحمہ اللہ

کُلّیۃ القرآن لاہور (قرآن کالج)

191۔ اتاترک بلاک، نیو گارڈن ٹاؤن، لاہور

”تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو خود قرآن سیکھتے ہیں اور دوسروں کو قرآن سکھاتے ہیں۔“ (حدیث نبوی ﷺ)

عصری تعلیم مع درس نظامی (آٹھ سالہ کورس) کے پہلے سال میں

داخلے شروع

خصوصیات

☆ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ ایف اے، بی اے اور ایم اے کی کلاسز
☆ ذہین اور مستحق طلبہ کے لیے کلی یا جزوی کفالت کی سہولت
☆ وفاق المدارس العربیہ اور لاہور بورڈ / پنجاب یونیورسٹی کا نصاب
☆ کلاس میں نمایاں پوزیشن لینے والے طلبہ کے لیے وظائف
☆ تقریر اور تحریر کی مہارت کے لیے نامور اساتذہ کی راہنمائی

شیڈول برائے داخلہ

☆ پراسپکٹس کی دستیابی 24 جولائی 2015ء سے
☆ داخلہ فارم جمع کروانے کی آخری تاریخ 10 اگست 2015ء
☆ کلاسز کا آغاز 11 اگست 2015ء

اہلیت برائے داخلہ

☆ صرف میٹرک پاس طلبہ داخلے کی درخواست دے سکتے ہیں۔
☆ عمر 15 تا 18 سال (حفاظ کے لیے عمر میں ایک سال کی رعایت)
☆ صرف پاکستان کے شہری

برائے معلومات
دفتری اوقات کے دوران 042-35833637
دفتری اوقات کے بعد 0301-4882395

الداعی الی الخیر
حافظ عاطف وحید، ناظم تعلیمات

جدید تعلیم اور اس کے اثرات

(لداخ میں جدید تعلیم کا تنقیدی جائزہ)

اخذ و ترجمہ : محمد عثمان خان

موجودہ دور جدید تعلیم اور سائنس و ٹیکنالوجی کا دور ہے۔ اگر ہم اپنے ملک کا ہی جائزہ لیں تو ہمیں جگہ جگہ ماڈرن اسکول‘ کالج اور یونیورسٹیاں نظر آتے ہیں۔ اس کے علاوہ کئی این جی اوز بڑی تن دہی کے ساتھ جدید تعلیم کے فروغ کے لیے کام کر رہی ہیں۔ مگر پھر بھی ہمارے معاشرے میں روز بروز جہالت‘ غربت اور بیروزگاری میں اضافہ ہو رہا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ اس کا تسلی بخش جواب آپ کو زیر نظر مضمون کو پڑھ کر مل جائے گا۔ مضمون کا عنوان "Pressure to Modernism" ہے اور اس کی مصنفہ "Helena Norberg-Hodge" ہیں۔ مصنفہ نے ’’لداخ‘‘ (جو کہ تبت کے ساتھ ایک چھوٹا قصبہ ہے) کی روایتی تہذیب پر جدید تہذیب کے غلبے کا بھرپور تجزیہ کیا ہے اور لداخ کی روایتی تہذیب کے ٹوٹنے کی وجوہات بیان کی ہیں۔ اس میں جدید تعلیم‘ میڈیا اور سیاحت (Tourism) کلیدی اہمیت کے حامل عناصر ہیں۔ ہم نے تعلیم والے حصے کا ترجمہ کیا ہے۔ اس کو پڑھ کر قارئین جدید تعلیم اور اس کے اثرات کو بخوبی سمجھ سکتے ہیں اور آج ہم اپنے معاشرے پر بھی اس کا انطباق کر کے اپنا جائزہ لے سکتے ہیں۔

آج کے دور میں کوئی بھی شخص حقیقی تعلیم (علم کے پھیلاؤ اور ذخیرۂ معلومات) کا انکار نہیں کر سکتا۔ مگر آج تیسری دنیا کے ممالک میں تعلیم ایک مختلف شئے بن گئی ہے۔ آج کی تعلیم بچوں کو ان کی اپنی تہذیب اور فطرت سے کاٹ کر جدید مغربی شہری ماحول میں ترقی کرنے اور آگے بڑھنے کا گر سکھاتی ہے۔ یہ پورا ’’نظریہ تعلیم‘‘ لداخ کے علاقے میں بڑا واضح نظر آتا ہے۔ لداخ میں جدید اسکولوں کا نظام (Modern Schooling System) بچوں کی آنکھ پر بندھی اس پٹی کا کام دیتا ہے جو ان کو اس ماحول سے کاٹ کر رکھ دیتی ہے جس میں وہ رہ رہے ہیں۔ ان اسکولوں سے فراغت کے بعد بچے نہ تو اپنے علاقے کے معدنی ذخائر سے کسی قسم کا استفادہ کر پاتے ہیں اور نہ ہی وہ اپنے علاقے کے نظام کو بہتر انداز میں چلا پاتے ہیں۔

آج سے چند دہائیاں قبل ہمیں لداخ کی روایتی تہذیب میں چند مذہبی خانقاہوں کے علاوہ کوئی ایسا نظام نہیں ملتا جسے ہم ’’تعلیم‘‘ کا نام دے سکیں‘ بلکہ اس دور کے لداخ میں تو تعلیم نام تھا فرد کے اپنے معاشرے اور ماحول سے مضبوط و مستحکم تعلق کا۔ بچے اپنے بزرگوں‘ رشتے داروں‘ دوستوں اور اپنی قدرتی دنیا سے بہت کچھ سیکھا کرتے تھے۔

وہ کھیتی باڑی میں اپنے بڑوں کی مدد کیا کرتے تھے۔ مثال کے طور پر وہ اچھی طرح جانتے تھے کہ گاؤں کا کون سا حصہ گرم رہتا ہے اور کون سا ٹھنڈا۔ وہ یہ اپنے تجربات سے نا صرف جو کے مختلف اقسام کے بیج کو پہچان لیا کرتے تھے بلکہ وہ ان میں سے ہر ایک کے لیے جو مخصوص پیداواری شرائط درکار ہوتی ہیں اس کے بھی جاننے والے ہوتے تھے۔ ان کا سیکھنے کا عمل اس حد تک تھا کہ وہ اپنے علاقے کے چھوٹے سے چھوٹے جنگلی پودے کے استعمال کو بھی سیکھا کرتے تھے۔ وہ مخصوص جانوروں کو پہاڑی ڈھلانوں سے بحفاظت نیچے لانے کا فن بھی سیکھا کرتے تھے۔ نسل در نسل لداخی یہ سیکھتے ہوئے بڑے ہوتے تھے کہ وہ اپنے لیے کپڑا اور گھر کیسے تیار کریں۔ وہ یہ بھی سیکھتے تھے کہ یاک (تبتی بیل) کی کھال سے جوتے کیسے تیار کرتے ہیں۔ نیز وہ بھیڑ کے بال سے کپڑے اور گیلی مٹی اور پتھر سے گھر بنانا بھی سیکھا کرتے تھے۔ تعلیم لداخیوں کے لیے مکان محدود (location specific) تھی اور ان کا اپنی زمین سے ایک مضبوط تعلق قائم کرتی تھی۔ تعلیم بچوں کے اندر ایک غیر شعوری جذبہ پیدا کرتی تھی کہ وہ جیسے جیسے بڑے ہوں اپنے وسائل کو خود بخود دیرپا تاثیر انداز میں استعمال کر سکیں۔

درج بالا اُمور میں کوئی بھی ایسی چیز نہیں جو ماڈرن اسکولوں میں سکھائی جاتی ہو۔ بچوں کو ان کے ماحول اور معاشرے کے حوالے سے ماہر کرنے کے بجائے یہ اسکول ان کو ٹیکنالوجی کے اندر ماہر کرتے ہیں۔ اسکول ایک ایسی جگہ ہے جہاں جا کر بچے اپنے روایتی ہنر نہ صرف بھول جاتے ہیں‘ کجا یہ کہ اس کو حقارت سے دیکھنے لگتے ہیں۔

مغربی تعلیم لداخ کے گاؤں میں پہلی بار ۱۹۷۷ء میں آئی۔ آج وہاں ۲۰۰ کے لگ بھگ اسکول قائم ہیں۔ ان میں پڑھایا جانے والا نصاب بھارت کے مختلف علاقوں میں پڑھائے جانے والے نصاب کی گھٹیا نقالی ہے اور مزیدار بات یہ کہ بھارت کا اپنا نصاب برطانیہ کے نصاب کی نقالی ہے۔ اس میں لداخ سے متعلق کوئی چیز موجود نہیں۔

ایک دن میں نے لداخ کے دارالحکومت میں موجود ایک اسکول کے کلاس روم کا دورہ کیا‘ وہاں میری نظر ایک بچے کی کتاب پر بنی تصویر پر گئی جو کسی لندن یا امریکہ میں موجود بچے کے کمرے کا نقشہ پیش کر رہی تھی۔ اس کمرے میں سلیقے سے طے شدہ رومالوں کا ڈھیر چار منزلہ بیڈ پر موجود تھا اور ساتھ ہدایات موجود تھیں کہ کونسا رومال کس بیڈ کے خانے میں رکھنا ہے۔ اسکول کی دیگر کتابیں بھی ایسی ہی بے معنی اور غیر مناسب تھیں۔ ایک کلاس میں بچوں کو گھر کا کام یہ دیا گیا کہ وہ Leaning Tower of Pisa کا زمین کے ساتھ بننے والا زاویہ (Angle of incidence) معلوم کریں۔ اسی طرح ایک دفعہ بچے لفظ "Iliad" کے انگریزی معنی تلاش کرتے ہوئے نظر آئے۔

لداخی بچوں کے اسکول میں سیکھے گئے اکثر فنون ان کے کسی کام کے نہیں۔ مزید برآں یہ کہ ان کو تعلیم کا ایک ایسا رخ دکھایا گیا ہے جو کسی نیویارکی کے لیے تو مناسب ہوسکتا ہے مگر لداخی کے لیے نہیں۔ بچوں نے ان مصنفین کی کتب پڑھیں جنہوں نے اپنی پوری زندگی میں کبھی لداخ کی زمین پر قدم نہیں رکھا‘ جنہیں اس بات کے بارے میں قطعی علم نہیں کہ بارہ ہزار فٹ کی بلندی پر کیسے ’’جو‘‘ کی کاشت کی جاتی ہے اور کس طرح دھوپ سے خشک کی ہوئی اینٹوں سے گھر تعمیر کیا جاتا ہے۔

یہ تمام حالات لداخ کے ساتھ ہی خاص نہیں ہیں

بلکہ آج پوری دنیا کا یہی حال ہے۔ اور یہ عمل ''تعلیم'' کہلاتا ہے جس کی بنیاد یکساں ماخذات (Eurocentric) پر ہے اور اس کا ہر جگہ یکساں نظام ہے (جس میں یورپی رنگ غالب ہے)۔

اس تعلیم کا اصل زور دور دراز کے اعداد و شمار پر اور ایک ''عالمگیر علم'' (Universal Knowledge) پر ہے۔ کتب میں موجود معلومات پورے سیارے کی معلومات کے لیے کفایت کرتی ہیں۔ مگر چونکہ یہ بات واضح ہے کہ صرف وہ تعلیم جو ماحول اور تہذیب سے کاٹ کر پیش کی جائے وہی عالمگیر تعلیم بن سکتی ہے' بچوں کو جو کچھ پڑھایا جاتا ہے وہ ایک خلائی علم ہے' جو بچوں کو ان کے رہن سہن سے کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔ اگر بچے اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا چاہیں تو ان کو گھر تعمیر کرنا سکھائے جاتے ہیں' مگر یہ گھر اسٹیل اور سیمنٹ کے ''عالمی معیار کے گھر'' ہوتے ہیں (جو لداخیوں کے کسی کام کے نہیں)۔ اسی طرح جو لوگ زراعت پڑھنا چاہیں تو ان کو کیمیائی کھاد اور حشرات کش (PESTISIDES) اور بھاری مشینری اور دو نسلی بیج کے بارے میں پڑھایا جاتا ہے۔ مغربی طرز تعلیم ہمیں ہمارے اپنے وسائل ترک کر کے جدید صنعتی وسائل (Industrial Resource) استعمال کرنے کا درس دے کر ہمیں سب وسائل ہونے کے باوجود غریب سے غریب تر بنا رہی ہے۔ اس طریقے سے تعلیم ایک مصنوعی قلت (Artificial Scarcity) اور مقابلے کی فضا پیدا کر رہی ہے۔

آج سے کچھ عرصہ قبل لداخ کے اسکول کے کچھ بچوں سے کہا گیا کہ وہ اپنے قصبے کو ۲۰۰۰ء میں تصور کریں کہ وہ کیسا ہوگا۔ ایک چھوٹی بچی نے لکھا کہ: ''۱۹۷۴ء سے قبل لداخ دنیا میں نہیں جانا جاتا تھا۔ اُس وقت لداخیوں کو پیسے کی ضرورت نہیں ہوتی تھی۔ لوگ جاہل تھے۔ ہر شخص کے چہرے پر مسکراہٹ رہتی تھی۔ جو کچھ ان کے پاس تھا وہ ان کے لیے کفایت کرتا تھا''۔ ایک اور بچے نے اپنے مضمون میں لکھا: ''لداخ کے لوگ اُس وقت اپنے گانے گاتے ہوئے بے عزتی محسوس کیا کرتے تھے' مگر وہ انگریزی اور ہندی گانے بڑے شوق سے گایا کرتے تھے۔ مگر آج تو ان کا حال یہ ہے کہ وہ اپنا لباس پہننے میں بھی شرم محسوس کرتے ہیں۔''

تعلیم لوگوں کو زراعت سے دور کرتی ہے اور لوگ کاغذی معیشت (Money Economy) پر انحصار کرتے ہیں۔ روایتی تہذیب میں بیروزگاری نام کی کوئی چیز نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس جدید تہذیب میں مخصوص تعداد میں ملازمت کے مواقع ہوتے ہیں جس کے حصول کے لیے لوگوں کو ایک شدید مقابلے کا سامنا ہوتا ہے' اور معاملہ گورنمنٹ کی ملازمت میں مزید سنگین ہو جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں بیروزگاری خود بخود پیدا ہو کر ایک سنگین مسئلہ بن جاتی ہے۔

جدید تعلیم کے یقیناً کچھ فوائد بھی ہیں' جیسے اس سے شرح خواندگی بڑھتی ہے۔ اس کے ذریعے سے لداخی باہر کی دنیا کی طاقتوں کے بارے میں جان پائے۔ مگر اس سب کے باوجود اس نے لداخیوں کو باہم توڑا' ان کی سر زمین کو تقسیم کیا اور ان کو عالمی معیشت کی پستیوں پر پہنچا دیا۔

ضرورت رشتہ

☆ بیٹی، عمر 30 سال، تعلیم فزکس (ایم ایف ڈی)، پنجاب کالج لاہور میں جاب، خوب سیرت و خوبصورت، شادی کے ڈیڑھ سال بعد بیوہ، ساتھ دو جڑواں بچے (بیٹا، بیٹی۔ عمر پانچ سال) کے لیے مناسب رشتہ درکار ہے۔

والدین رابطہ کریں۔ 0323-7505665

☆ ڈیفنس لاہور میں مقیم مغل فیملی کو اپنی بیٹی، عمر 20 سال، دراز قامت، آرکیٹیک ڈیزائننگ میں زیر تعلیم، کے لیے دینی رجحان کے حامل کاروباری گھرانے سے برسر روزگار لڑکے کا رشتہ درکار ہے۔

برائے رابطہ: 0322-4477151

تنظیم اسلامی مروٹ کے زیر اہتمام ریلی اور ماہانہ اجتماع

14 جون 2015ء کو تنظیم اسلامی مروٹ کے زیر اہتمام برما کے مظلوم مسلمانوں کے حق میں مظاہرہ کیا گیا۔ مظاہرے کا آغاز صبح ساڑھے نو بجے مسجد جامع القرآن سے کیا گیا۔ مقامی امیر حاجی محمد ریاض نے ریلی کے شرکاء کے ساتھ گورنمنٹ ہائی سکول سے 315 چک والے سولنگ تک مارچ کیا۔ بعد ازاں شرکاء غلہ منڈی گیٹ کے سامنے چاروں اطراف میں تقریباً 30 منٹ تک ٹی کارڈز اور بینرز آویزاں کر کے کھڑے رہے۔ اس موقع پر میڈیا کے نمائندوں نے کوریج کی۔ اس کے بعد مقامی امیر نے برما کے مظلوم مسلمانوں کی حالت زار پر سیر حاصل گفتگو فرمائی۔ انہوں نے اس بات پر زور دیا کہ جب تک مسلمان آپس کے اختلافات بھلا کر متحد نہیں ہو جاتے اس وقت تک وہ دنیا میں اسی طرح ظلم کی چکی میں پستے رہیں گے۔ اس مظاہرے میں 27 رفقاء اور تقریباً 35 احباب نے شرکت کی۔ 10:45 پر دعا کے بعد اس مظاہرے کا اختتام ہوا۔ اللہ تعالیٰ ہماری اس کوشش کو قبول فرمائے۔

مروٹ تنظیم کے زیر اہتمام ماہانہ اجتماع کا آغاز تلاوت قرآن اور تمہیدی کلمات سے ہوا، جس کی سعادت مقامی امیر حاجی محمد ریاض نے حاصل کی۔ پروگرام کا باقاعدہ آغاز درس قرآن سے ہوا، جس کی ذمہ داری معتمد محمد اقبال نے ادا کی۔ ان کا موضوع ''مسلمانوں پر قرآن مجید کے حقوق'' تھا۔ اس کے بعد لیاقت علی نے ''فرائض والدین'' کے عنوان سے درس حدیث دیا۔ سیرت صحابہؓ سے حضرت بلالؓ کی سیرت بیان کی گئی جس کی ذمہ داری محمد فرحان ریاض نے نبھائی۔ ''دین اور مذہب میں فرق'' کے عنوان سے مذاکرہ ہوا، جس کی ذمہ داری پروفیسر عمران فقیر نے پروجیکٹر کے ذریعے سوال و جواب کے انداز میں نبھائی۔ وقفہ نماز عشاء کے بعد رفقاء کے لیے کھانے کا اہتمام کیا گیا۔ حاجی محمد ریاض نے جماعت میں بیعت کی اہمیت کے موضوع پر گفتگو فرمائی۔ اس پروگرام میں 15 رفقاء اور 5 احباب نے شرکت کی۔ دعا پر یہ پروگرام اپنے اختتام کو پہنچا۔ اللہ تعالیٰ ہمارا حامی و ناصر ہو۔

(مرتب: محمد اقبال)

حلقہ پنجاب شرقی کے زیر اہتمام افطاری پروگرام

حلقہ پنجاب شرقی کی مقامی تنظیم بہاول نگر کے زیر انتظام 5 جون 2015ء بمطابق 17 رمضان المبارک 1436 ہجری کو مسجد جامع القرآن فاروق آباد میں افطاری پروگرام کا اہتمام کیا گیا۔ پروگرام میں شرکت کے لیے تمام رفقاء اور احباب کو دعوت دی گئی۔ تقریباً 110 افراد کی شرکت کا تخمینہ تھا لیکن اللہ تبارک و تعالیٰ کے فضل و کرم سے لوگوں نے بھرپور دلچسپی لی اور 160 سے زائد روزہ داران نے اس افطار ڈنر میں شرکت کی۔ مقامی امیر محترم جناب محمود اسلم نے افطار سے پہلے مختصر خطاب کیا۔ انہوں نے رمضان اور روزہ کے فضائل پر گفتگو کے ساتھ تنظیم اسلامی کے فکر اور طریقہ کار کو بھی واضح کیا اور تنظیم کی دعوت بھی پیش کی۔ آخر میں اللہ سبحان و تعالیٰ سے دعا کی کہ ہمارے روزوں اور عبادات کو قبول فرمائے اور انتظامیہ کی کوششوں کو ان کے لیے توشہ آخرت بنائے۔

اللہ سبحانہ' و تعالیٰ تمام شرکاء کی جانب سے وقت کے ایثار کو اور تمام رفقاء کی مساعی کو اپنی بارگار میں شرف قبولیت عطا فرمائے اور کمی کوتاہیوں کو معاف فرمائے۔ (آمین)

(رپورٹ: محمد طیب اکرم)

THE REPORT OF THE JUDICIAL COMMISSION

The report of the judicial commission rejected the complaints of the PTI and several other opposition parties that the May 2013 general elections were rigged and manipulated. By declaring these elections a true and fair reflection of the mandate of the electorate, the judicial commission provided legal legitimacy to the 2013 election and the electoral victory of the PML-N. The PTI is now facing a major political setback.

The judicial commission, however, has not resolved the issue of political acceptability of the results of the elections. It was not only the PTI that had complained about the election results; several other political parties, including those that supported the PML-N in the context of the protest by the PTI, also questioned the legitimacy of the election results. The legal legitimacy given by the judicial commission will not change the opinion of all these political parties regarding the elections. Therefore, the general elections and the PML-N's ascendancy to power will continue to be questioned on political grounds by many political activists and parties.

The report of the judicial commissions represents a conservative and status quo-oriented approach. It took advantage of the terms of reference to downplay irregularities and procedural violations, including non-authentication of votes and multiple voting by one person, and declared these elections fair and free on aggregate. The second term of reference sought to know if the elections were manipulated in a "systematic effort by design". The judicial commission assigned priority to 'systematic' or 'by design' manipulation over other issues that had undermined the credibility of the elections. It was clear during the proceedings of the judicial commission that systematic and planned rigging would not be proved. As the PTI could not prove systematic manipulation by an institution, government or political party, the judicial commission was able to confirm the first and third terms of reference, giving legal legitimacy to the elections.

Although the commission noted procedural and other violations in the elections, these could not influence the opinion of its members because they confined their inquiry to the issue of systematic and planned manipulation. In a way, the Election Commission of Pakistan (ECP), as well as judicial and other officials on duty on polling day have also got a clean chit because procedural irregularities were not given weight.

The advice by the judicial commission to improve the management of the elections is not expected to carry much weight because if the elections represented the true and fair mandate of the people despite a host of deficiencies, why rectify those shortcomings? Why should the government or the ECP worry about these issues when these are not relevant in determining the credibility of the electoral process? The PML-N will focus on the legal aspects and the PTI and other political parties on political dimensions, thus reviving their mutual conflict. It will be three or four months before this conflict takes a definite shape. By that time the flood season and local bodies elections would either be over, or postponed.

Source adapted from: *http://tribune.com.pk/*

Editor's note: *It appears quite strange that while the judicial commission has enunciated the incompetency and malpractice of the ECP in its final report and has established that the burden of ensuring free, fair, honest and impartial elections falls fairly and squarely on the institution, yet in its conclusion, the overall electoral process has been awarded a clean-chit. In our opinion, that alone would provide all and sundry a license to rig in the future, without any fear of accountable and punishment.*